بسم اللہ

نگار

جلد (۲۰) فہرست مضامین ماہ جولائی سنہ ۱۹۳۱ء شمارہ (۱)

ملاحظات		۲
فراست التحریر حصہ دوم	مسٹر کلام بی۔ اے	۹
مطالعۂ حدیث	حق گو	۵۳
ایثار (افسانہ)		۶۴
لاسلکی کا مستقبل	منظور سروش	۷۵
اُردو املا پر ایک سرسری نظر	سید خورشید احمد ایم۔ایس۔سی	۸۴
موج کوثر و تسنیم		۹۰
انوار مستقبل (نظم)	روش صدیقی	۹۱
نمود حسن	کوکب شاہجہان پوری	۹۳
رات	عدم	۹۴
غزلیات	مختلف حضرات	۹۵،۹۶

نگار

ایڈیٹر نیاز فتحپوری

جلد (۲۰)	جولائی ۱۹۳۱ء	شمارہ (۱)

ملاحظات

اگر آپ نے کبھی سمندر کے ساحل پر کھڑے ہو کر طوفانی حالت مین پانی کے تموج کو دیکھا ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ تلاطم نام ہے سطح آب کے اس ارتفاع کا جو انتہائی حضیض کے بعد دفعۃً رونما ہوتا ہے اور لہرون کا سلسلہ عبارت ہے اسی نشیب و فراز سے، اسی صعود و ہبوط سے اور اسی اُبھر کر گرنے اور گر کر ابھرنے سے ——— بالکل یہی حالت ملکون اور قومون کے عروج و زوال کی ہے، اگر آج کوئی قوم انتہائی زوال کی حالت مین ہے تو سمجھ لو کہ اس کے مستقبل مین بلندی پنہان ہے اور اگر کسی کو بلند ترین نقطۂ عروج پر دیکھو تو جان لو کہ اس کا زوال دور نہین ——— فرق اگر کوئی ہے تو صرف یہ کہ موجون کا نشیب و فراز ہم کو جلد جلد نظر آجاتا ہے اور قومون کے عروج و زوال کے لیے قرنون اور صدیون کا انتظار کرنا پڑتا ہے ——— ملکون کے جغرافیے اسی طرح بدلے ہین اور بدلتے رہین گے قومون کی تاریخین اسی طرح بنی ہین اور بنتی رہین گی اور آج دنیا کے تمام آثار حقیقۃً زندہ شہادتین ہین فطرت کے اسی انقلاب پسند ذوق کی جو ذرے سے لے کر آفتاب تک ہر جگہ ہر چیز مین اور ہر وقت یکسان طور پر موثر نظر آتا ہے ——— البتہ غائر نگاہین آنے والے انقلاب کو بہت پہلے سے دیکھ لیتی ہین اور جن کی نظر بالغ و دوررس نہین ہے وہ سب سے آخری پردے کے اٹھنے کی منتظر رہتی ہین ———

روس کی اشتراکیت، جرمنی کی رجعت، اطالیہ کا انقلاب اور بالکل تازہ چیز ہسپانیہ کے دور ملوکیت کا خاتمہ یہ سب وہ آثار و مناظر ہیں جن کا علم ہمیں اس وقت ہوا جب یہ رونما ہو کر واقعہ و حقیقت میں تبدیل ہو گئے، لیکن جاننے والے پہلے ہی جان چکے تھے کہ زار روس کے دور قہرمانیت کو فطرت اس سے زیادہ برداشت نہ کر سکتی تھی پھر جرمنی کے پیمانۂ کبر و غرور کا چھلک پڑنا ناگزیر تھا، اٹلی کی دشمن، انسانیت، سیادت مذہبی کا ختم ہو جانا ضروری اور اسپین کے دور امارت کا مٹ جانا بالکل اٹل اور یقینی تھا۔

پھر جو کچھ گذر چکا اس کو گذر جانے دو۔ آؤ دیکھو کہ موجودہ فضا میں بھی تمہیں کوئی آثار اضطراب نظر آتے ہیں، کیا آج کی ساعتوں میں آنے والے کل کے نشانات کا کچھ پتہ چلتا ہے

مغرب کی علمی و اقتصادی، سیاسی و تجارتی تفوق کی داستانوں میں مشرق نے اپنی اہلیت، اپنی استعداد ترقی اور اپنی اخلاقی برتری کی خصوصیات کو ہمیشہ نظر انداز کیا لیکن سوال یہ ہے کہ کیا نگاہوں کی خیرگی کے اسباب اب بھی اسی طرح قائم ہیں، کیا ظاہری نقش و نگار کی خوبیوں سے گزر کر بطون کی حقیقت کو ہماری نظروں نے اب بھی نہیں پہچانا؟ ——— وہ چیز جو ہمیں مغرب میں جاہ و ثروت نظر آتی تھی آج اس کے استعماری خط و خال بے نقاب ہیں دول یورپ کے اقبال و دولت کے ترانے جن سازوں کے ذریعہ سے ہم تک پہنچائے جاتے تھے ان کی بے آہنگی آج کسی سے مخفی نہیں اور اس سرزمین ایجاد و اختراع کے مصالح و معامل جن کا نصب العین صرف رہزنی و قزاقی تھا، آج ویران و برباد نظر آتے ہیں ——— وہ ایوانہائے تجارت جن کا گوشہ گوشہ ہر وقت روپے کی جھنکار سے گونجتا رہتا تھا اب سنسان ہیں ——— وہ کارخانے جہاں عفریت پیکر مشینیں ہر وقت رعد آسا آوازیں بلند کرتی رہتی تھیں ویران و برباد ہیں ——— اور وہ ٹکسالیں وہ بنک جہاں دولت ہر وقت پانی کی طرح بہتی نظر آتی تھی خاموش و غیر آباد ہیں ——— وہی یورپ جس کے تمول کے افسانوں نے ہم کو مرعوب بنا رکھا تھا آج اسی کے دولت مند فرزندوں کا یہ حال ہے کہ افلاس سے پریشان ہیں، خودکشی کیلئے آمادہ ہیں بے روزگاری نے انھیں دیوانہ بنا رکھا ہے اور اسوقت وہاں کا بڑے سے بڑا حکیم و فیلسوف چارہ کاری کی جستجو میں ناکام نظر آتا ہے

اگر ایشیا تباہ و ویران ہے تو جائے شکایت نہیں کیونکہ وہ جاہل ہے ناتراشیدہ ہے، اگر مشرق ادبار تنزل میں مبتلا ہے تو کس کو مجال گفتگو ہو سکتی ہے، کیونکہ وہ سیاہ فام ہے غیر مہذب ہے، دیوانۂ مذہب ہے لیکن خدارا کوئی بتائے کہ آج یورپ جو اپنے آپ کو مخزن علم جانتا ہے جو تہذیب و شائستگی کا موجد و مخترع ہے جو مذہبیت کی لعنت سے آزاد ہو چکا ہے، جو سفید رنگ رکھتا ہے جو حسین ہے اقوی ہے، محنتی ہے اور وہ سب کچھ رکھتا ہے جو ایک خدا کے بیٹے کی نسل سے چلنے والی مخلوق میں پایا جانا چاہیے ——— ہاں کوئی بتائے کہ آج وہ کیوں

سوگوار ہے۔ اس کا آرام کس نے کھویا، اُس کی نیند کس نے اُچاٹ کی اور اس کے بنائے ہوئے "برج مشید" کہاں گئے؟

—— واقعہ یہ ہے کہ انسان صرف اعتبارات و مفروضات پر زندہ رہنا جانتا ہے اور جب حقیقتوں سے پردہ اُٹھتا ہے تو وہ حیران رہ جاتا ہے کہ کتنے زمانے تک اس نے اپنے آپ کو مکر و فریب میں مبتلا رکھا —— قدرت مسکرا کر پھر دوسرا پردہ ڈالتی ہے اور وہ پھر اسی تار و پود میں الجھ جاتا ہے جو اس سے قبل اس نے قائم کیا تھا —— پھر اگر غور کیجیے تو یہ زمانہ وہی ہے۔ جب حقیقتیں یکے بعد دیگرے بے نقاب ہوتی جا رہی ہیں اور نہایت واضح طور پر سرکش انسان کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر واقعی وہ امن و سکون کا خواہاں ہے تو اس کو استعمار میں ڈھونڈنا چاہیے بلکہ استہلاک میں تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ تجارت و دولت کی ترقی اس حصول کی ضامن نہیں بلکہ یہ جنس نایاب صرف اخوت انسانی اور ایثار و رواداری سے مل سکتی ہے جو نہ کرپ کے کارخانے کی چیز ہے نہ مانچسٹر اور لنکاشائر کے صنعت گاہوں کی۔

آج ایشیا اگر بیدار ہو رہا ہے تو اس کو پہلے ہی سے یہ فیصلہ کر لینا چاہیے کہ کیا وہ مغرب کے انھیں نقوش قدم پر چلے گا جو انسان کو دولت مند تو بنا سکتے ہیں لیکن انکے ساتھ انسانیت بھی چھین لیتے ہیں یا وہ اپنی انھیں دیرینہ خصوصیات کو قائم رکھے گا جو زمانۂ نامعلوم سے لے کر اس وقت تک برابر انبیا و رسل اولیا و اکابر کے ذریعہ سے ان کے دردمند دلوں میں ودیعت کی گئی ہیں

اس وقت دنیا اقتصادی مشکلات میں کیوں مبتلا ہے، کیا سبب ہے کہ ہر ملک ہر قوم اپنی اپنی جگہ پریشان نظر آتی ہے؟ یہ ایک سوال ہے جو اس زمانے میں ہر شخص کی زبان پر ہے —— یقیناً ایک غیبی قوت ایسی ہے جو کام نظام عالم پر موثر ہے لیکن وہ قوت پہلے چند اسباب پیدا کر دیتی ہے اور پھر انھیں کے مطابق نتائج ظاہر کرتی ہے۔ آئیے آج کی صحبت میں مختصراً ان اسباب پر بھی غور کر لیں۔

تجارت و کاروبار کی دنیا کا مشہور نظریہ ہے کہ ہر چیز کی فراہمی اس کی مانگ یا طلب پر منحصر ہے، یعنی ایک چیز اسی وقت بازار میں آتی ہے جب لوگوں کو اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر ظاہر ہے کہ جب ایک چیز کی مانگ زیادہ ہوگی تو اس کی قیمت بھی بڑھے گی اور جب زیادتی قیمت کی طمع سے لوگ اس چیز کو زیادہ فراہم کرینگے تو قیمت بھی گھٹے گی اور اس کی فراہمی بھی کم ہو جائے گی۔ الغرض فراہمی کی زیادتی کے لیے قیمت کی کمی ایک روک ہو جو توازن کو قائم رکھتی ہے اور اگر بدقسمتی سے کسی چیز کی فراہمی بہت زیادہ ہو جاتی ہے تو پھر ایک زمانے تک اقتصادی مشکلات دور نہیں ہوتے اور مصالح و معامل کے تعطل سے مزدوروں اور کام کرنے والوں کی معاش پر جو اثر پڑتا ہے وہ ساری دنیا میں ہیجان برپا کر دیتا ہے۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ فراہمی کے مقابلہ مین اس وقت مانگ کیون کم ہے اور یورپ کے اقتصادی مشکلات کا سررشتہ کس کے ہاتھ مین ہے، اس کے متعدد اسباب ہین

۱- ایک سبب تو یہ ہے کہ پیدائش کی نسبت اب اموات کی شرح زیادہ ہے دران حالیکہ مصنوعات ضرورت سے زیادہ بازار مین آگئی ہین -

۲- دوسرے یہ کہ فوجون مین تخفیف ہو رہی ہے جن کے مصارف و ضروریات مختلف اشیا، کی صورت مین بہ نسبت دوسرے محکمون یا طبقون کے بہت زیادہ فراہم کیے جاتے تھے،

۳- تیسرے یہ کہ جنگ کے بعد زیادہ تر سوشل نظام حکومت قائم ہوتا جارہا ہے اور معاشرت کا معیار گھٹ رہا ہے

۴- چوتھے روس و چین مین جدید تہذیب و تمدن کی شکست اور ہندوستان مصر و جنوبی امریکہ مین سیاسی انقلابات کا نشو و نما -

۵- زیادتی ٹیکس اور قانونی ضبطی کے نفاذ کی وجہ سے جائداد اور دولت کے قیام مین لوگون کا عدم اعتماد

۶- جنگ کے بعد اسباب تجارت پر محصول اور ٹیکس کی زیادتی نے نوعیت و تعداد دونون حیثیت سے قیمتون کو بہت گران کر دیا -

۷- قرضۂ جنگ کی وجہ سے تبادلۂ زر کا مکانکی نظام خراب ہو گیا،

۸- مسابقت (Compatition) کے سلسلے مین نئی نئی اشیا، بازار مین آئین اور اسی نسبت سے فیشن اور معاشرتی خصائل مین جلد جلد تغیر ہونے لگا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پرسون کی بنی ہوئی چیزین کل اور کل کی بنی ہوئی آج بیکار ہو گئین -

اس سلسلے مین پیداوار غلہ کی زیادتی کو بھی شامل کرنا چاہیے جس کا ایک سبب تو خود مہذب ممالک کا (EXPLOITATION) ہے کہ انھون نے غیر مہذب ممالک (مثلاً افریقہ) مین پہنچ کر تمام ناقابل زراعت حصۂ زمین کو تردد کر کے قابل کاشت بنا دیا اور ان ممالک کے باشندون مین زراعت کی صلاحیت پیدا کر دی —— دوسرا سبب زراعت و صناعت کی وہ سریع ترقی ہے جو ہر ملک مین رونما ہوئی - خصوصاً روس جس نے سب سے پہلے خالص زراعتی اسکیم کو سامنے رکھ کر پوری جد و جہد شروع کی یہان تک کہ سال گزشتہ وہ اسکیم پوری ہو کر رہی اور اس قدر کثرت سے غلہ پیدا ہوا کہ تمام دنیا کی منڈیون پر اس کا زبردست اثر پڑا -

اب غور کیجیے کہ کیا یہ تمام اسباب ایسے ہین جن کو انسان اپنے اختیار سے دور کر سکتا ہے، مصیبت کا بلانا تو اپنے اختیار مین ضرور ہے، لیکن اس کو دفع کرنا اپنے بس کی بات نہین —— پھر وہ لوگ جو سال حال کی شدتون کو صرف اس امید پر بسر کر رہے ہین کہ ممکن ہے سال آئندہ ان کے لیے باعث فلاح ثابت ہو، ان کو معلوم

ہو جانا چاہیے کہ اب ہر آئندہ سال سخت سے سخت تر ہوتا جائے گا اور روے زمین کا یہ بُحران اُس وقت تک دور نہیں ہو سکتا جب تک ایشیا کا انقلاب پورا نہ ہو جائے اور انقلاب کے بعد وہ دور بھی ختم نہ ہو جائے جو یقیناً خانہ جنگیوں کی نہایت ہولناک و مہلک یادگار ثابت ہونے والا ہے۔

تاریخ اسپین میں ۱۵ اپریل سنہ ۳۱ء وہ تاریخ ہے جس کو دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی، کیونکہ یہ وہ دن تھا جب یورپ کے ایک گوشے میں پورے پندرہ سو سال تک مسلسل قائم رہنے والے دور ملوکیت کا خاتمہ ہوا اور دو کروڑ بیس لاکھ نفوس انسانی نے پنجۂ استبداد سے چھوٹ کر سب سے پہلی سانس آزادی کی لی درانحالیکہ خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہایا گیا۔

اسپین زمانۂ حال کی تین لعنتوں میں گرفتار تھا۔ سب سے پہلی لعنت تو کلیسا کی تھی جس نے ترقی کے راستے میں کوہ گراں حائل کر رکھا تھا، دوسری لعنت فوج کی تھی جس کے بڑھے ہوئے مصارف ملک کو کسی طرح پنپنے نہ دیتے تھے اور تیسری لعنت طبقۂ امراء کی تھی جو کلیسا اور فوج کی اعانت کر کے غریبوں کا خون چوس رہا تھا۔

شاہ اسپین "الفانسو" ملک سے باہر کر دیا گیا اور زمام حکومت پریسیڈنٹ "زمورا" کے سپرد کی گئی جو اصل بانی اس تحریک کا ہے اور جس کی جد و جہد نے ملک کو اس زبردست اقدام کے لیے تیار کیا تھا لیکن مجھے اِس کے ماننے میں تامل ہے کہ اسپین کا انقلاب ختم ہو گیا، کیونکہ جن حالات کے ماتحت وہاں تغیر ہوا ہے وہ بتا رہے ہیں کہ بغیر اشتراکیت کے قیام کے ملک کو سکون حاصل ہونا دشوار ہے۔

ہم کو بتایا جاتا ہے کہ برما کی بغاوت کا سبب یہ ہے کہ ہندوستان کے تاجروں نے وہاں پہنچ کر انکے کاروبار پر قبضہ کر لیا اور اس لیے اب وہ اپنے ملک کو ہندوستانیوں سے پاک کر دینا چاہتے ہیں۔ اگر واقعی سبب یہی ہے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیوں چن چن کر انگریزوں کو ہلاک کر رہے ہیں اور کیوں ان کو زیادہ مشتعل کرنے کے لیے ہندی فوجوں کو اُن کے مقابلے میں روانہ کیا جاتا ہے

ایک طرف تو یہ تجویز ہے کہ برما کو ہندوستان سے علحدہ کر دیا جائے اور دوسری طرف ہندوستان کی دولت اور ہندوستان کی فوج وہاں پر تسلط قائم رکھنے کے لیے قربان کی جا رہی ہے۔ کیا حکومت برطانیہ کا مغربی نظام حکومت اس قدر ضعیف و کمزور ہو گیا ہے کہ وہ برما کے مقابلے میں انگلستان کا کوئی ایک سورما اور وہاں کا کوئی ایک پیسہ بھی صرف کرنے کا اہل نہیں رہا ـــــ یہ ہے موجودہ زمانہ میں اس زبردست سلطنت کا

حال جس کی سرزمین حکومت پر آفتاب کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی نہین ڈوبتا ——— کیا اہلِ ہند کے بیدار کرنے کیلیے اب اس سے زیادہ کسی اور کھلی ہوئی نشانی کے لائے جانے کی ضرورت ہے

حکومت صوبہ متحدہ کی تاریخ مین جولائی ۱۹۳۱ء کا مہینہ بھی ہمیشہ یاد رکھا جائے گا جب اُسنے تمام محکمون مین تخفیف کا اعلان کرکے اپنی بیکسی و بے چارگی کا اعتراف صاف الفاظ مین کر لیا ——— یقیناً آمدنی کی کمی کا اثر مصارف پر ہونا چاہیے خاص کر ایک آئینی حکومت مین جہان حکومت بالکل بجٹ کی پابند ہے اور بجٹ آمدنی کا، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر بیس بیس روپیہ پانے والے سو کلرکون کو تخفیف کرکے سو پلین، حکام کی تنخواہ مین اضافہ کر دیا جائے گا تو کیا اس کو حسنِ انتظام سے تعبیر کیا جائے گا ——— ایک طرف اگر ہم یہ دیکھتے ہین کہ پٹواریون کو علحدہ کیا جا رہا ہے تو دوسری طرف یہ منظر بھی سامنے ہے کہ ڈپٹی سکرٹریون کی تنخواہ بجائے ۱۵۰۰ کے ۲۰۰۰ کی جا رہی ہے ——— موجودہ اقتصادی مشکلات کے دور مین چھوٹی چھوٹی تنخواہ پانے والون کو بیکار کر دینا اتنی زبردست غلطی حکومت کی ہے کہ شاید ہی اس کے نتائج کو برداشت کیا جا سکے۔ کیا حکومت نے کبھی اس پر غور کیا ہے کہ ملک کے جب اتنے آدمی دفعتہً محروم معاش کر دیے جائین گے تو اس کا اثر ملک کے امن و سکون پر کیا ہوگا اور موجودہ اضطراب مین اس سے کسقدر اضافہ ہوگا،

اس وقت ہندوستان کے مستقبل کا فیصلہ جس اختلاف آرا کی وجہ سے دشوار ہو رہا ہے وہ کوئی نئی بات نہین اور ہر ایسے ملک مین جہان فکر و خیال معیشت و معاشرت، مذہب و رسوم کا اس قدر تنوع ہو، یہ نزاع و تصادم بالکل قدرتی امر ہے، لیکن سب سے زیادہ تکلیف اس وقت ہوتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک فریق تو سفید کو سفید کہہ رہا ہے اور دوسرا کھلم کھلا اس کی تکذیب کرکے کہہ رہا ہے کہ نہین یہ تو سیاہ ہے۔ یہی وہ صورتین ہین جب نیتون کی صداقت بھی مشتبہ ہو جاتی ہے اور گفتگو وطن کی حمایت و غداری کے باب مین ہونے لگتی ہے ——— چنانچہ اس وقت مسئلہ انتخاب کے مخلوط و غیر مخلوط قرار دیے جانے پر جو کشمکش جاری ہے ٹھیک اسی نقطے پر پہنچ گئی ہے۔ ملک کو سب سے پہلے یہ فیصلہ کر لینا چاہیے کہ ان مین سے کس فریق کو وطن کا دوست اور کس کو دشمن سمجھنا چاہیے۔

ہم اس سے قبل کئی بار ملاحظات کے صفحات مین اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کرکے ظاہر کر چکے ہین کہ ملک کی نجات اور خصوصیت کے ساتھ مسلمانون کی فلاح صرف اسی فیصلے پر منحصر ہے کہ مخلوط انتخاب پر رضامندی کا اظہار کیا جائے لیکن ہمارے بعض نادان دوستون نے ابھی تک اس کی اہمیت کا صحیح اندازہ نہین کیا اور وہ ابھی تک اسی سررشتہ کی

جنبش پر کام کر رہے ہیں جو اس سے قبل بارہا اسی نوع کی ترکیبوں سے کام لے کر ملک کو تباہ کر چکا ہے۔

فرمان روائے بھوپال نے ایک سے زائد بار مخالف عناصر کو جمع کر کے ان میں صلح و آشتی پیدا کرنے کی سعی بلیغ کی اور خیال کیا جاتا تھا کہ شاید سب سے آخری مرتبہ شملہ میں کوئی صورت مفاہمت کی پیدا ہو جائے گی لیکن نتیجہ وہی ناکامی رہا اور اب حالات ایسے ہیں کہ آیندہ بھی کوئی توقع کامیابی کی قائم نہیں کی جا سکتی

مہاتما گاندھی نے اس دوران میں اظہار خیال سے باز رہ کر بہت دانشمندانہ سکوت سے کام لیا ہے اور شاید ابھی تک یہ بھی صحیح طور پر نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ موجودہ اختلاف کو دیکھتے ہوئے ولایت جا کر گول میز کانفرنس میں شرکت کرینگے یا نہیں۔ لیکن یہ بالکل یقینی ہے کہ اگر یہ گتھی یہاں نہ سلجھی تو ولایت میں سلجھے گی، اور شاید مسلمانوں کی مخالفت کا پہلو لیے ہو گی۔ کیونکہ جس قوت نے حکومت کو اس حد تک جھکا دیا ہے وہ اس سے بھی زیادہ جھکا سکتی ہے اور اقتصادی مشکلات کا مقابلہ اس سے زیادہ دنیا کی کسی سلطنت سے ممکن نہیں۔

سرحد آفریدیوں کے ساتھ ابھی تک حکومت برطانیہ کوئی صورت مفاہمت کی پیدا نہیں کر سکی کھجوری کے میدان پر انگریزی قبضہ ہو چکا ہے اور جہاں جہاں فوجی استحکامات اور حفاظتی چوکیاں قائم ہونا تھیں قائم ہو چکی ہیں، لیکن آفریدی ضد اور برہمی کا وہی عالم ہے وہ کسی طرح کسی قسم کا وعدہ یا عہد و پیمان کرنے کے لیے تیار نہیں جب تک کھجوری میدان کو خالی نہ کر دیا جاے اور اصطرف یہ ضد ہے کہ ہم سب کچھ کر سکتے ہیں لیکن یہی ممکن نہیں۔

ہر گرمی میں یہ توقع کی جاتی ہے کہ جب پہاڑوں میں برف باری ہو گی تو آفریدی اپنے اپنے غاروں کو چھوڑ کر باہر نکلنے اور کسب معاش کے لیے ذرایع ڈھونڈھنے کے لیے بے تاب ہوں گے تو صلح کرنے پر مجبور ہو جائیں گے، لیکن جب ایام سرما بغیر کسی نتیجے کے ختم ہونے والے ہوتے ہیں تو یہ کہا جاتا ہے کہ جب گرمی ہو گی تو شدت حرارت سے مجبور ہو کر وہ شرائط ماننے پر تیار ہونگے اسی امید میں کئی سال گذر گئے ہیں لیکن نہ گرمی اُن کے عزائم کے تنزل کرتی ہے اور نہ سردی اُن کے جذبات کو افسردہ۔

حیرت ہے کہ باوجود تمام موجودہ اقتصادی مشکلات و سیاسی اضطرابات کے حکومت اب بھی اپنی آمدنی کا بڑا حصہ آفریدی عفریت پر ہمیشہ جھپٹنے کیلیے طیار رہے اور کبھی ایک لمحہ کے لیے وہ اصول جنگ کے اس پہلو کو اختیار نہیں کرتی جب سپر ڈال دینا ہی عین فتح مندی خیال کیا جاتا ہے

نیاز

علم فراست التحریر حصہ دوم

متعلق بہ انگریزی رسم الخط

تمہید

ہر چند عہد قدیم کے اہل دانش کو ہر چیز کی تہ تک پہونچنے میں بدرجہ غایت انہماک ہوجاتا تھا لیکن بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کی توجہ اسطرف کبھی مائل نہیں ہوئی کہ انسان کی شخصیت اور اس کے طرز تحریر میں جو تعلق پایا جاتا ہے۔ اسے بھی معلوم کیا جائے۔ اس راز کا انکشاف کہ ہر تحریر میں لکھنے والے کے چال چلن اور اوضاع و اطوار کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور جس طرح اس کا قلم حرکت کرتا جاتا ہے ساتھ ساتھ اپنا "نقش قدم" بھی چھوڑتا جاتا ہے۔ یہ دریافت قرون وسطیٰ کی دنیا کے لئے مقدر ہوئی تھی۔ قدیم زمانہ کی تحریروں میں اگر اس قسم کے امکان کی طرف کوئی اشارہ پایا جاتا ہے تو وہ سوٹونیس کی تحریروں میں ہے۔ اگرچہ ان تحریروں سے بھی کافی وضاحت نہیں ہوتی۔ لیکن اس قدر ضرور مترشح ہوتا ہے کہ واقعات اور اشیاء کا بہ تنظر غائر مشاہدہ کرنے والا یہ شخص اس قدر ضرور آگاہی رکھتا تھا کہ انسان کے کردار اور اسکی تحریر میں کوئی واقعی لگاؤ ہے۔ اس شخص نے شہنشاہ آکٹوئیس اغسطس کی نسبت لکھا ہے کہ "میں نے اس کی تحریر میں یہ بات دیکھی ہے کہ وہ الفاظ کو الگ الگ نہیں لکھتا۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ایک سطر کے اختتام پر کسی لفظ کا کوئی حصہ ضبط تحریر میں آنے سے باقی رہجاتا ہے تو وہ اسے دوسری سطر کی ابتدا میں نہیں لیجاتا بلکہ اول حصہ کے نیچے لکھ کر ایک حلقہ کھینچ دیتا ہے۔"

مندرجہ بالا ریمارک سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جس رومی شہنشاہ کا اس میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں تکمیل خیالات کا زبردست مادہ تھا یعنی وہ اپنے خیالات کا تسلسل ابتدا سے انتہا تک قائم رکھتا تھا۔ معلوم نہیں کہ جو کچھ نتیجہ ہم نے نکالا ہے وہی سوٹونیس کے بھی دل میں تھا یا نہیں۔ بہر حال اس نے ایک واقعہ بیان کر دیا ہے جو اسکے

نزدیک خاص طور پر دلچسپ اور معنی خیز تھا۔ اس لئے اس کے آگے مصنف مذکور نے کوئی رائے زنی یا قیاس آرائی نہیں کی۔

قدیم سلطنت روم کو جب زوال ہوا اور بربریت کی لہر نے ایک طرف سے اُٹھکر دوسری طرف تباہی اور بربادی کا عالم برپا کر دیا تو جنوبی یورپ کی تہذیب و تمدن کا چراغ گل ہونے کے علاوہ وہاں کے علوم و فنون کو بھی سخت صدمہ پہونچا اور نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ معدودے چند خانقاہ نشین راہبوں یا پادریوں کے سوا لکھنا پڑھنا کوئی شخص نہیں جانتا تھا۔ حتیٰ کہ مشہور و معروف شہنشاہ شارلمین جو مقدس سلطنت روم کا اولین سالار تھا اور جس کی سنہ ۸۰۰ء میں خاص کرسمس کے روز تاجپوشی اور تخت نشینی ہوئی تھی، اپنے نام کے دستخط بھی نہ کر سکتا تھا۔

لیکن اس زمانہ میں کوہستان گراؤبنڈن میں ایک قدیم سوئس گرجا بمقام کوائرے واقع تھا جس میں بعض عجیب اور نادر تاریخی یادگاریں محفوظ تھیں۔ منجملہ ان کے چرمی کاغذ پر ایک سرکاری تحریر تھی جس پر شہنشاہ شارلمین کے دستخط تھے دستخط کا ہر ایک حرف پورا ایک انچ لمبا تھا۔ کیرولس اور میگنس دونوں لفظوں کو ایک چھوٹا سا خط کھینچکر ملا دیا گیا تھا۔ اسی طرح رومی شہنشاہ جولین بھی ایک چھوٹی سی لکیر کھینچکر اپنے دستخط کیا کرتا تھا۔

اگرچہ صدیوں تک یہی عالم ظلمت و جہالت طاری رہا کہ راہبوں اور گرجا والوں کے سوائے کوئی اور شخص لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا۔ لیکن یہ بات ایک اطالوی پروفیسر او رسمی بالڈو کے ہاتھ پر مقدر ہو چکی تھی کہ ایک شخص کے کردار اور تحریر میں ربط معلوم کیا جائے۔ اس موضوع پر شخص مذکور کی پہلی تصنیف سنہ ۱۶۰۲ء میں شائع ہوئی۔ بالڈو کی حجت یہ بھی کہ چونکہ ایک شخص کی تحریر اس کی شخصیت کی مظہر ہوتی ہے لہذا اس کے ذریعہ سے شخص مذکور کے کردار اور اوضاع و اطوار کا بھی پتہ چلنا چاہیئے۔

بالڈو کے نظریات سے اس زمانہ کے علمی حلقوں میں دلچسپی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اور ہر شخص فراست التحریر کے موضوع پر غور کرنے لگا۔ بالڈو کی کتاب کو دیگر ممالک میں اشاعت دینے کی غرض سے اس کا ترجمہ لاطینی زبان میں ایک شخص مسمی پیٹردس ویلیس نے کیا۔ چالیس برس بعد یہ اڈیشن فرانس کے مشہور شہر بولونیا میں شائع ہوا۔

اگرچہ عام طور پر یہی مشہور ہو کہ فراست التحریر کے ذریعہ سے کسی شخص کے کردار کا حال معلوم کرنا بالڈو نے ایجاد کیا تھا۔ لیکن دو صدی بعد اس فن کو باقاعدگی حاصل ہوئی تو اسکا نام "گرافولوجی" (Graphology) رکھا گیا۔ اسی سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جب بالڈو نے یہ فن ایجاد کیا اسی زمانہ میں ایک دوسرا فاضل شخص مارکس آریلیس سیویرینس (جو شہر نیپلز میں جراحی کا پروفیسر تھا) اسی قسم کے کام میں مشغول تھا کہتے ہیں کہ فاضل موصوف نے اس فن کے متعلق نہایت عالمانہ نتائج اخذ کئے تھے۔ مگر افسوس ہو کہ وہ تمام تحریر

ضائع ہو گئی۔ لیکن بالڈو کی کتاب کا لاطینی ترجمہ جب دنیا بھر میں پھیلا تو اس کا نام روشن ہو گیا۔ مگر افسوس ہے کہ رفتہ رفتہ امتداد زمانہ کے باعث بالڈو کا نام اور اس کے نظریات بھی لوگوں کی طبیعت سے محو ہو گئے۔ لیکن سنہ ۱۸۷۵ء میں بالڈو کا پھر احیاء ثانیہ ہوا۔ یعنی ایک فرانسیسی فاضل ایبے میشون نے مڈکل کالج مونٹ پیلیر کے کتبخانہ میں بالڈو کی کتاب کا لاطینی ترجمہ دیکھا اور اس نے ان نظریوں کی وسعت کے ساتھ اشاعت کی۔

اگرچہ بالڈو اور ایبے میشون کے نام فن فراست التحریر کے بارہ میں بیحد مشہور ہیں۔ مگر اسی موضوع پر وقتاً فوقتاً بہت سے مشہور سائنسدانوں نے بھی اظہار خیال کیا تھا مثلاً لیبنٹز (Leibnitz) نے اس موضوع پر خصوصیت کے ساتھ بحث کی کہ ہر شخص جب وہ لکھنے بیٹھتا ہے تو ہر جنبش قلم کے ساتھ اس صفحۂ قرطاس پر جو اس کے سامنے کھلا ہوتا ہے اپنی شخصیت کے پورے اثرات چھوڑتا ہے۔ اسی زبردست معلم اخلاق نے اپنی کتاب (Doctrina De mor B us) میں لکھا ہے کہ:۔

"ہر شخص کی تحریر بھی تا وقتیکہ وہ کسی پیشہ ور خطاط کے ہاتھ کی لکھی ہوئی نہ ہو تقریباً ہمیشہ کسی نہ کسی صورت صاحب تحریر کی طبیعت اور فطری رجحان کا اظہار کرتی ہے۔"

سنہ ۱۷۹۲ء میں گروہمان نامی ایک جرمن فاضل نے چند نظریات اس بارہ میں پیش کئے کہ ہر شخص کی تحریر اور اس کے قیافہ میں ایک خاص تعلق موجود ہوتا ہے۔ اس کا قول تھا کہ تحریر کے ذریعہ سے صاحب تحریر کی ظاہری و باطنی تمام کیفیتیں معلوم کی جاسکتی ہیں۔ یعنی یہاں تک معلوم ہو سکتا ہے کہ کاتب کے بال کیسے ہیں۔ اس کی آنکھیں کس وضع کی ہیں اسکے چہرے کا رنگ کیسا ہے۔ قد و قامت کیا ہے۔ فربہ و توانا ہے یا لاغر و کمزور وغیرہ وغیرہ۔ الغرض اس شخص کے اخذ کردہ نتائج نہایت عجیب و غریب اور بعض اوقات بعید از فہم بھی ہوتے تھے۔

کچھ عرصہ بعد یعنی سنہ ۱۸۶۳ء میں ایک دوسرے جرمن فاضل ہرایم ہنبرے نے جو فن فراست التحریر کا عامل تھا ایک کتاب تصنیف کی جس میں اُس نے ان لوگوں کی تحریروں سے جنھوں نے اسکی طرف رجوع کیا تھا مختلف نتائج اخذ کر کے مختصراً اپنے خیالات کا بھی اظہار کیا۔ اس کتاب کا نام بھی عجیب و غریب تھا یعنی......

(Shirogrammatomancy)

اسی موضوع پر گیٹے اور لافیٹر کے درمیان بھی کسی قدر خط و کتابت ہوئی تھی۔ اس زمانہ میں موخر الذکر فلسفی اپنی شاہکار تصنیف "علم قیافہ" کے لکھنے میں مصروف تھا۔ اس کتاب میں اس نے کسی قدر توجہ فراست التحریر پر بھی صرف کی ہے۔ اور ایک ہی شخص کی مختلف تحریروں کے فرق دکھا کر بحث کی ہے۔ کہ قلم کے ذریعہ سے

انسان کی وہ طبعی کیفیتیں معلوم ہو سکتی ہیں جو بوقت تحریر اُس پر طاری تھیں۔ علاوہ ازیں فلسفی مذکور نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس طرح ہر قوم میں کوئی نہ کوئی نسلی خصوصیت ہوتی ہے اسی طرح اس میں طرز تحریر کی بھی کوئی خصوصیت ضرور ہوتی ہے۔

۱۸۰۶ء میں "ایکولے ڈی مڈلین پیرس" کے پروفیسر موسیو مورَیو کی زیر ادارت لاوَیٹر کی کتاب کا تازہ اڈیشن شائع ہوا۔ جس میں مدیر مذکور نے اس باب میں جو فراست التحریر کے متعلق تھا نہایت قیمتی اضافہ کردیا تھا۔ اس میں یہ بحث کی گئی تھی کہ تمام تحریروں میں کسی قدر اختلافات ہوتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے ایک شخص کی ذہنیت اور خطاطی کے تعلقات معلوم کئے جا سکتے ہیں۔

اسی موضوع کی طرف اڈگر ایلن پو کو بھی توجہ ہوئی۔ جس نے بعض تحریروں کے ذریعہ سے صاحبان تحریر کے کردار اور اوضاع واطوار پر بحث کی لیکن یہ سب قیاس آرائی تھی اور دلائل کسی خاص اصول پر مبنی نہیں تھے۔

۱۸۲۳ء میں اسٹیفن کولیٹ نامی ایک انگریز نے لوگوں کے دستخطوں پر چند دلچسپ مضامین لکھے لیکن اس بات کا سہرا فرانس کے سر ہے کہ اس نے اس فن کو علمی حیثیت دیکر اُسے کافی نشوونما دی۔ موسیو بوڈینے اسقف امینس، کارڈنل ریجنبر اسقف اعظم کامبرے اور آبے فلانڈرین کے زیر اہتمام ایک مدرسہ "فراست التحریر" قائم کیا گیا۔ سلویو پیلیکو کے کردار اور اوضاع واطوار پر موخر الذکر عالم نے ایک مضمون لکھا جسے ڈاکٹر ڈیسکرے نے بھی اپنی کتاب الموسوم بہ medicine De Passions میں نقل کیا ہے۔

سب سے پہلے اس فن کے قواعد بصورت کتاب ۱۸۷۲ء میں شائع ہوئے اور اس کا نام "اسرار تحریر" (Mysteries of Handwriting ......) تھا اگرچہ اس کتاب کا دیباچہ موسیو دیباروَلیس کا لکھا ہوا تھا مگر کتاب کے اصلی مصنف آبے میشون تھے۔ جب یہ کتاب شائع ہوئی تو لوگ اسے ایک الہامی کتاب سمجھنے لگے۔ اس کتاب میں آبے میشون نے لکھا ہے کہ مجھے سب سے پہلے تحریر کے اسرار میرے استاد آبے فلانڈرین نے بتائے تھے۔ جس پر میں ۱۸۶۱ء تک محنت کرتا رہا۔

آبے میشون ہی نے اس فن کا نام "فراست التحریر" (Graphology) رکھا۔ لیکن اس اصطلاح کی ایجاد پر آبے میشون اور موسیو دیباروَلیس کے درمیان اس قدر جھگڑا ہوا کہ عرصہ دراز تک دونوں میں بدمزگی رہی۔ دونوں اصطلاح مذکور کی ایجاد کے دعویدار تھے۔ اس جھگڑے کے بعد سے آبے میشون نے کسی شخص کو اپنا معاون نہ بنایا۔ اس کے بعد آبے مذکور نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں خاص خاص حسب ذیل ہیں:۔

"طریقہ فراست التحریر" "تاریخ نپولین اول جو اس کی تحریروں سے معلوم کی گئی" "اصول مطالعہ تحریر" "تاریخ تحریر دستی" لغت مشاہیر فرانس جن کے حالات انکی تحریر سے اخذ کئے گئے" "عہد میروونج میں فرانس کی تحریر"

اگرچہ ایبے میشون نے اس مضمون کو علم کے درجہ تک پہونچایا۔ مگر ہنوز ایک وسیع میدان باقی تھا جو طے نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد ایک اور لائق فرانسیسی موسیو کریپیو یامین نے مزید تحقیق و تدقیق کرکے اس فن پر ایک جدید کتاب لکھی۔ اس کتاب کا نہایت قابلیت کے ساتھ مسٹر جان ہولٹ اسکولنگ نے انگریزی زبان میں ترجمہ کیا اور اس میں بعض اپنے تجربات کا بھی اضافہ کیا۔

کردار خوانی

قبل اس کے کہ تحریر کے ذریعہ سے کسی کی سیرت کے متعلق حکم لگایا جائے۔ یہ ضروری ہے کہ کسی شخص کی کوئی مستند تحریر سامنے رکھی جائے۔ اس مقصد کے لئے ایک دوست کا اپنے کسی دوسرے دوست کے نام بھیجا ہوا خط یا رقعہ بہت موزوں ہوگا۔ کیونکہ اس قسم کی تحریریں ہمیشہ فوری اور اضطراری ہوتی ہیں اور بغیر سوچے سمجھے لکھی جاتی ہیں۔ اور وہ خط جو کسی اجنبی کے نام لکھا جائے یا کوئی ایسی تحریر جو کاروبار کے متعلق ہو وہ ہمیشہ بعد غور و فکر ضبط تحریر میں لائی جاتی ہے۔ اس میں ایک قسم کا تصنع ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے وہ مطالعہ کردار کے لئے مناسب نہیں ہوتیں۔

اسی سلسلہ میں یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ لکھنے والے کے قلم میں روانی تھی یا نہیں۔ یعنی نب ٹوٹا ہوا نہ تھا۔ کاغذ تو خراب نہ تھا۔ سیاہی زیادہ گاڑھی تو نہ تھی۔ یا زیادہ پتلی تو نہ تھی۔ یہ بھی ضروری ہے کہ لکھتے وقت کاتب کی حالت بالکل طبعی ہو، جوش، غصہ، خستگی، نشۂ شراب، وغیرہ تمام باتوں کا انسان کی تحریر پر بیحد اثر پڑتا ہے مثلاً انسان بحالت خستگی قوت عمل اور جوش کے آثار بہت کم ظاہر کرے گا۔ اسی طرح بوجہ علالت انسان کی حالت بہت بدل جاتی ہے۔

الغرض اگر کاغذ، قلم، روشنائی درست ہوں اور کاتب کی ذہنی و جسمانی حالت بھی طبعی ہو تو مطالعۂ کردار کے لئے اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط اور اس کا لفافہ بہت کافی ہے، تفصیلی حالات کے لئے متعدد اور مختلف اوقات اور زمانہ کی تحریروں کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایسے خط کے ذریعہ سے کاتب کی ذہنی اور اخلاقی حالت کا اندازہ بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ اس کا دلچسپ نمونہ نپولین اعظم کے دستخطوں میں پایا جاتا ہے جو اس نے اپنی مصروف زندگی میں باوقات مختلف کئے تھے۔ ان دستخطوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ حیرت انگیز ہستی زمانہ کے ساتھ مختلف رنگ بدلتی تھی تو اس کے طرز تحریر میں کس قدر تغیر واقع ہو جاتا تھا۔

عکس تحریر دستخط لائڈ جارج

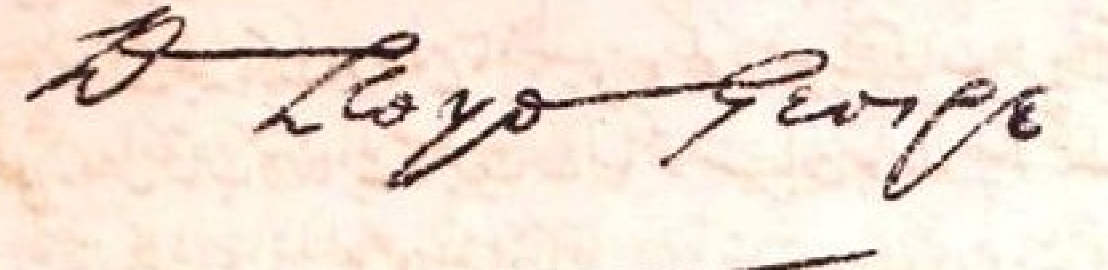

"یہ ایک باہمت اور پُرحوصلہ شخص کی تحریر کا نمونہ ہے۔ ایک لفظ کا دوسرے لفظ سے جوڑ ظاہر کرتا ہے کہ صاحب دستخط نہایت راسخ المقصد ہے۔ علاوہ ازیں مختلف حروف کے درمیان جو کہیں کہیں فصل پایا جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر بہت آزاد خیال آدمی ہے دستخط میں تین لفظ ہیں اور تینوں کے درمیان بہت فصل دیا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والا ملنسار آدمی ہے۔ حروف کا میلان جو جانب راست ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والا دردمند دل کا مالک ہے۔ اور اثر قبول کر سکتا ہے۔ خصوصاً جبکہ اس کے جذبات رحم و محبت میں اشتعال ہو۔ لمبے لمبے خط جو جانب راست مائل معلوم ہوتے ہیں ان سے مروت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور دستخط کے نیچے جو ایک سیدھا خط کھینچدیا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاف تحریر کو خود اعتمادی بھی حاصل ہے۔

شہنشاہیت تک پہونچنے سے قبل نپولین سے دستخطوں کے تیزی حوصلۂ بلند، عزم صمیم۔ ڈپلومیسی، طبع رسا، اور خود اعتمادی ظاہر ہوتی تھی۔ لیکن جوں جوں اسکی اہمیت و شان بڑھتی گئی۔ اس کے دستخط بھی مختصر ہونے لگے اور ان سے رازداری کا اظہار ہونے لگا۔ ۱۷۹۶ء میں جوش فرانسیسیت کے ماتحت اس نے اطالوی حرف "یو" لکھنا چھوڑ دیا اور اس کے بعد سے اپنے نام کے حروف (Bonaparte) لکھنے لگا۔ ۱۸۰۴ء کے بعد سے وہ اپنا نام (Napolean) لکھا کرتا تھا۔ اس کے دستخط میں حروف کی گوناگونی یہ ظاہر کرتی ہے کہ وہ محیر العقول طور پر چست و چالاک اور طبیعت کے لحاظ سے بوقلمون تھا۔ اس کے دو دستخط کبھی یکساں نہیں ہوئے۔ وہ ہمیشہ اپنے نام کے نیچے خط کھینچدیا کرتا تھا۔ بعض اوقات یہ خط اسقدر جلی اور بھدا ہوتا تھا جس سے اسکے مزاج کی سفاکی ظاہر ہوتی تھی۔ آسٹرلٹز کی فتح کے بعد جو دستخط اس نے کرنا شروع کئے۔ ان میں یہ خصوصیت پیدا ہو گئی کہ دستخط کے حروف کا میلان داہنی جانب اوپر کی طرف

اس قدر ہوگیا کہ حرف اول یعنی (N) سے ۵۴ درجہ کا زاویہ بنجاتا تھا۔ یہ نپولین کے اس زمانہ کی تحریر تھی جب اس کا آفتاب اقبال نصف النہار تک پہونچ گیا تھا۔ ابھی تک کوئی مدمقابل اس کا پیدا نہ ہوا تھا۔ اسنے کہیں زک اُٹھائی تھی۔ اور اسکندر اعظم کی طرح ٹھنڈی سانسیں بھر کر کہتا تھا کہ اور دو چار دنیائیں ہوتیں تو انھیں بھی فتح کرلیتا۔ اس کے بعد جب اس کے زوال کا زمانہ آیا تو اس کے دستخط کے حروف چھوٹے ہونے لگے اور ان کا میل بھی بجائے بلندی کے پستی کی طرف ہوتا تھا۔ اس کے یہ معنی تھے کہ اب اس طاقتور اور خونخوار شخص کے دل کی امنگیں بجھ گئی تھیں اور وہ سخت مایوس اور دل شکستہ ہوگیا تھا۔ اگرچہ دستخط کے نیچے اب بھی خط ہوتا تھا۔ لیکن وہ اعتماد بالنفس کا مایوسانہ اظہار لئے ہوتا تھا۔ وہ بات نہیں رہی تھی جو پہلے تھی۔ یعنی پہلے اس کے خط سے زبردست اعتماد بالنفس ظاہر ہوتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا صاحب امضا خود کو طاقت کا ناقابل تسخیر دیوتا سمجھتا ہے۔

کسی شخص کی تحریر سے نتائج اخذ کرنے سے قبل طالب کو لازم ہے کہ وہ اس تحریر کی مجموعی ہیئت پر غور کرکے کوئی عام رائے قائم کرے۔

اعلےٰ تحریر بآسانی معلوم ہوجاتی ہے۔ یعنی اس قسم کی تحریر میں صفائی، روانی، پختگی ہوتی ہے۔ اور حروف میں ہلکے ہلکے زاویے بھی ہوتے ہیں۔ یہ تحریر نمائش اور تصنع سے معرا ہوتی ہے۔ اس کے حروف میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں ہوتی اور نہ سطروں کی روانی سے کسی قسم کے پس وپیش کا اظہار ہوتا ہے۔ تحریر کے اندر جتنی مرتبہ حرف "ٹی" (t) ہو کٹا ہوا ہوتا ہے۔ کاما (،) سمی کولن (؛) اور اسٹاپ (۔) صحیح ہوتے ہیں اور بائیں جانب کافی حاشیہ چھوٹا ہوا ہوتا ہے۔ کل تحریر میں خوشگوار ترتیب ہوتی ہے اور بعض بعض حروف میں خاص قسم کی جدت پائی جاتی ہے۔ الغرض بحیثیت مجموعی تمام اثر خوش آیند ہوتا ہے۔

درجہ اوسط کی تحریریں مختلف اقسام کی ہوتی ہیں۔ اوسط درجہ کی تحریر اگر کسی کوتاہ عقل شخص کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہو تو اس میں بیک وقت تیزی خیال اور صفائی حروف کا ہونا دشوار ہے اگر اوسط درجہ کا شخص جلد جلد غور کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے تو اس کے خیالات میں ہمیشہ انتشار اور پریشانی پیدا ہوجاتی ہے۔ وہ بیک وقت اپنے دل میں مختلف خیالات قائم کرتا ہے جو باہم متصادم ہوجاتے ہیں۔ یہ بات اس واقعہ سے ظاہر ہوسکتی ہے کہ اگر ایسی تحریر کے اوپر یا نیچے کوئی خط مستقیم کھینچدیا جائے تو کوئی کوئی حرف اس خط سے نیچے یا اوپر بیہودگی کے ساتھ بڑھا ہوا دکھائی دے گا۔ ایسی تحریر بعض اوقات پڑھی بھی نہیں جاتی، کاما یا اسٹاپ کا بھی اہتمام نہیں ہوتا۔ قلم کی جنبش کہیں کم کہیں بہت زیادہ ہوتی ہے۔ نہ ہم آہنگی ہوتی ہے نہ خوبصورتی۔ الغرض یہ ہیں وہ باتیں جو اوسط درجہ والی تحریر کی خصوصیات سمجھی جاتی ہیں۔

ادنےٰ درجہ کی تحریریں عموماً ایک خاص قسم کی باقاعدگی ہوتی ہے تمام حروف سیدھے یا تقریباً استادہ ہوتے ہیں۔ لفظ کے آخر حرف کا آخری حصہ چھوٹا کر دیا جاتا ہے۔ حروف اور الفاظ کے درمیان فصل بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس قسم کی تحریریں تصنع سے خالی نہیں ہوتیں۔ سوچ سمجھ کر لکھی جاتی ہیں۔ اور ان میں اضطراری کیفیت مطلق نہیں ہوتی۔ بہت باریک اور اینٹھی ہوئی تحریر بھی دنائت کی مظہر ہوتی ہے۔ ایسی تحریر ہمیشہ ایسے شخص کی ہوتی ہے جسکی تمام زندگی ایک شغل بے معنی کی حیثیت رکھتی ہے۔

ہاتھ سنبھال کر غور و تامل سے لکھی ہوئی تحریر۔ قلم کی ناخوشگوار جنبشیں جیسی کہ عموماً غیر تعلیم یافتہ اشخاص کی ہوتی ہیں مزید ثبوت ہیں دنائت تحریر کا۔

عکس دستخط ٹامس لپٹن

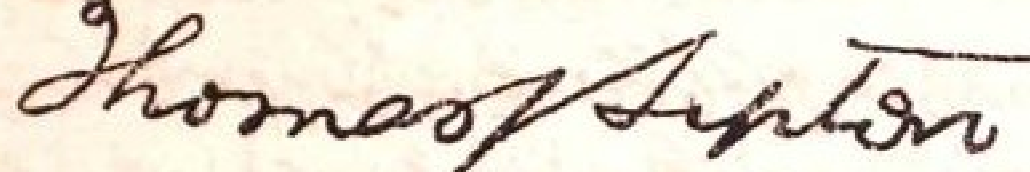

"ماہرانہ تحریر ہے۔ جس سے مروت اور کاروباری حوصلہ مندی کے علاوہ ڈپلومیسی کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ صاحب تحریر اگرچہ متہور ہے مگر صاحب استقلال ہے۔ اگر اس سے اضطراری طور پر کوئی ناخوشگوار حرکت سرزد ہو جاتی ہے تو اسے اس کا افسوس ہوتا ہے اور وہ اس معاملہ پر پوری طرح سے غور کرتا ہے۔"

خوشنویسی ایک فن اکتسابی ہے لہذا کردار خوانی کے لئے بیکار ہے۔ انگریزی میں ایسی تحریر کو Copper plate Handwriting کہتے ہیں۔

الغرض تحریر زیر غور کی نسبت یہ رائے قائم کرکے کہ وہ اعلےٰ، اوسط یا ادنےٰ درجہ کی ہے، یہ بات دیکھنا ضروری ہے کہ تحریر مذکور پر عقل و فہم، قوت ارادی یا قوت اخلاقی میں سے کس کا اثر نسبتاً زیادہ ہے مثلاً کیا صاحب تحریر فرض کو سب سے زیادہ اہم چیز سمجھتا ہے، کیا وہ سخن پرور اور خودسر ہے، یا اس کا امتیاز اخلاقی اور قوت ارادی دونوں عقلیت کے ماتحت رہتے ہیں۔

جب تحریر کے متعلق عقل و فہم، قوت ارادی اور قوت اخلاقی کا نسبتی اثر معلوم کر لیا گیا تو اس کے

بعد اس امر کی ضرورت ہے کہ نشانات عمومی پر غور کیا جائے اس کے بعد نشانات خصوصی کا نمبر آتا ہے۔ اور سب سے آخر میں خصوصیات منتج شدہ کا۔

اعادہ یا تکرار سے کسی خاص نشان یا علامت کی قدر و قیمت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک علامت دوسری کا رد عمل کرتی ہے یا اس پر اثر انداز ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص میں خود غرضی اور مروت دونوں باتیں ظاہر ہوتی ہیں تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ کبھی کوئی اچھا کام بھی کر گذرے گا۔ بشرطیکہ اس کام سے اسے کوئی ذاتی تکلیف نہ ہو۔ ایک ہی شخص میں اکثر بخل و اسراف دونوں شریک پائے جاتے ہیں۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے اوپر تو خوب دریا دلی سے دولت خرچ کرتا ہے۔ لیکن جہاں دوسروں کا تعلق ہوتا ہے بہت بخل سے کام لیتا ہے۔

جو حضرات فن فراست التحریر سے محض شوقیہ تعلق رکھتے ہیں انھیں کردار خوانی کی تصنیف میں پڑنے سے محترز رہنا چاہیے۔ ابتداءً تو وہ محض عام خاکہ کسی کے کردار کا کھینچا کریں۔ مثلاً تحریر زیر غور اعلےٰ درجہ کی تحریر نظر آتی ہے صاحب تحریر سادہ مزاج اور بلا تصنع آدمی ہے اس کے خیالات صاف اور اس کا ذوق سلیم ہے۔ تیز فکر ہے۔ عادتاً سرگرمی عمل رکھتا ہے۔ چست و چالاک ہے اور امیدوں بھرے دل کا مالک ہے۔ وہ حوصلہ مند ہے مگر کسی کام میں تعجیل سے کام نہیں لیتا۔ وہ شخص اعتماد کے قابل ہے۔ اپنا یا دوسرے کا راز ہرگز فاش نہ کرے گا۔ اس کا دماغ اسکے دل پر حکومت کرتا ہے۔ اس کی قوت ارادی اوسط درجہ کی ہے۔ اور اسکی اخلاقی حالت بہت اچھی ہے۔

اگر تحریر کسی غیر ملک کی ہو تو اسکے مطالعہ میں اس خاص ملک کی حالت، زبان، اور صاحب تحریر ماحول کا لحاظ رکھنا پڑے گا۔ کسی قدیم تحریر پر غور کرتے وقت بھی انہی باتوں کا خیال ہوگا۔ مثلاً سولھویں اور سترھویں صدیوں کی زندگی آج کل کی زندگی سے بہت زیادہ پیچیدہ تھی۔ اس زمانہ کا نصب العین بھی اس زمانہ سے بہت زیادہ مختلف تھا۔ اس زمانہ میں جس قدر رسمی تکلفات۔ آداب مجلس اور تہذیب کا خیال رکھا جاتا تھا۔ اس قدر آج کل نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص ذرا سی بات سے بھی انحراف کرتا تھا تو اس کی شامت آجاتی تھی۔ تقریر و تحریر کے دستور العمل مقرر تھے۔ جن سے انحراف کرنا قابل مواخذہ سمجھا جاتا تھا۔ یہی تمام باتیں اس زمانہ کی تحریروں سے نمایاں ہیں۔ نہایت شائستہ اور عمدہ دستخط کرنے میں کم از کم نصف گھنٹہ صرف ہوتا تھا۔ تمام تحریر پیچیدہ حروف اور نقوش نمائشی کا گلدستہ ہوتی تھی۔

اپنے زمانہ میں ملکہ الزبتھ بہت بڑی ہوشیار اور چالاک سمجھی جاتی تھی۔ لیکن آج اگر آپ اس کے دستخط دیکھیں اور یہ نہ معلوم ہو کہ وہ تحریر کس زمانہ کی ہے تو آپ وہ تحریر دیکھتے ہی فوراً کہہ اٹھیں گے کہ لکھنے والا شخص کوئی پاگل تھا۔

ملکہ وکٹوریا کے ابتدائی زمانہ میں انگریز عورتوں کے درمیان خوبصورت اطالوی طرز کی تحریر رائج

تھی جبکہ حروف داہنی طرف بہت زیادہ جھکے ہوتے تھے۔ یہ زمانہ انتہا درجہ کی نسائیت کا زمانہ تھا۔ عورتوں پر ذراسی بات میں غشی طاری ہوجاتی تھی۔ اظہار جذبات کا فیشن ایبل طریقہ غش کا آنا سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانہ کی تحریریں اگر آج دیکھی جائیں تو نہایت کمزور اور اظہار کردار میں قاصر پائی جائیں گی۔

علامات عمومی

(۱) صاف، یکساں، اور ہم آہنگ حرف والی تحریر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والے کا ذہن روشن ہے۔ خیالات واضح ہیں اور وہ اوسط سے زیادہ دماغی قابلیت رکھتا ہے۔

(۲) پیچیدہ اور گنجلک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے والا تشویش ذہنی میں مبتلا رہتا ہے۔

(۳) جوش میں اگر لکھی ہوئی تحریر جس کے حروف چھوٹے بڑے ہوں اس امر کی مظہر ہے کہ لکھنے والے کے نظام عصبی میں سکون نہیں ہے۔

(۴) پختہ تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والے کی صحت اچھی ہے۔ اور اس کے کردار و اطوار میں بھی استواری و پختگی ہے۔

(۵) یکساں تحریر سے فقدان انفرادیت کا اظہار ہوتا ہے۔ روکھے پھیکے اور غیر دلچسپ آدمیوں کی تحریر ہمیشہ ایسی ہی ہوتی ہے۔

(۶) بہت سست اور محنت سے لکھی ہوئی تحریر اس بات کا ثبوت ہے کہ لکھنے والے کے دماغ میں شئے لطیف کی کمی ہے۔ اور اس کے خیالات و محسوسات بھی بحیثیت مجموعی دھندلے ہیں۔

(۷) تیزی کے ساتھ لکھی ہوئی تحریر اس امر کی مظہر ہے کہ لکھنے والے کے خیالات میں بھی تیزی ہے۔ عین وقت پر کام کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ قوت فیصلہ بھی عاجل ہے۔ اور اس کی عادت میں یہ داخل ہے کہ وہ بہت جلد نتائج نکالنے لگتا ہے۔

(۸) اعلے قسم کی تیز اور غیر واضح تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والا عمل تحریر میں مسلسل مصروف رہتا ہے اور وہ اپنا کام حتی الامکان بہت جلد ختم کرتا ہے اور اس بات کی پروا نہیں کرتا ہے کہ اس کی تحریر سے پڑھنے والوں کو کس قدر تکلیف ہوگی۔ اس قسم کا آدمی اپنے وقت کی قدر و قیمت بہت زیادہ سمجھتا ہے اور دوسروں کے وقت کی پروا نہیں کرتا۔

(۹) مربع تحریر صحیح الدماغی کی علامت ہے۔ ایسی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والا فکر و استدلال میں سست ہے اور کوئی فیصلہ کرنے سے پیشتر معاملہ پر خوب غور کرلیتا ہے۔ اس قسم کے آدمی جو کام کرتے ہیں سستی کے ساتھ کرتے ہیں۔ مگران کا ہر کام یقینی ہوتا ہے۔

(۱۰) گول تحریر جس کے حروف زاویوں سے معرا ہوں یہ بات ظاہر کرتے ہیں کہ لکھنے والا بہت با اخلاق

اور پُر مروت آدمی ہے۔ وہ ہر بات گوارا کرے گا مگر کسی سے جھگڑا مول نہ لے گا۔ اگرچہ لوگ کسی قدر سست اور کاہل ہوتے ہیں۔ مگر عموماً صاحب سلیقہ اور ہر دلعزیز ہوتے ہیں۔ اجنبیوں سے بات چیت کرنے میں وہ ڈپلومیسی سے کام لیتے ہیں۔ اور جب کبھی اپنے افسروں سے بات چیت کرتے ہیں تو گفتگو میں عموماً کسی قدر خوشامد بھی ہوتی ہے۔ ایسے لوگ اس مقولہ کے معتقد ہوتے ہیں کہ:۔ "بمقابلہ سرکہ کے شہد سے زیادہ مکھیاں پکڑی جا سکتی ہیں۔"

(۱۱) اعلیٰ قسم کی تحریر جس کے حروف زاویہ دار ہوں یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ صاحب تحریر قوت ارادی اور قوت مزاحمت کا مالک ہے۔ اور اگر یہی بات کسی اوسط یا ادنیٰ قسم کی تحریر میں نمایاں ہو تو سمجھنا چاہیے کہ صاحب تحریر کو سخن پروری کی عادت ہے اور اگر اس سے کوئی غلطی سرزد ہوتی ہے تو تسلیم نہیں کرتا۔

(۱۲) خوبصورت اور خوش اسلوبی سے لکھی ہوئی تحریر نازک خیال اور صاحب ذوق سلیم ہے۔

عکس دستخط

"اس تحریر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر دھن کا پکا۔ پر حوصلہ اور اپنی ذات پر اعتماد رکھنے والا شخص ہے۔ وہ ملنسار، کشادہ دل اور صاحب مہر و مروت ہے وہ بڑے بڑے منصوبے قائم کر سکتا ہے۔ لیکن تفصیلات پر توجہ نہیں کرتا۔"

(۱۳) اعلیٰ قسم کی تحریر جس کے حروف بہت چھوٹے چھوٹے مگر صاف پڑھے جاتے ہوں یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ لکھنے والے کو تفصیلات کا شوق ہے، باریک بینی اور نزاکت پسندی عادت میں داخل ہے اور ایک بات کو سمجھنے کی خوب قابلیت رکھتا ہے۔

(۱۴) اوسط درجہ کی تحریر جس کے حروف چھوٹے چھوٹے مگر صاف ہوں یہ ظاہر کرتی ہے کہ لکھنے والا رسم و رواج دنیوی کا بہت پابند ہے۔ زندگی کے متعلق اس کا مطمح نظر تنگ اور معمولی باتوں تک محدود ہے۔ ممکن ہے کہ ایسا شخص پوری طرح سمجھدار ہو لیکن وہ وسیع الخیالی کی اہلیت نہیں رکھتا۔ ایسے شخص کو صدمہ یا رنج پہونچا دینا نہایت آسان ہے۔

(۱۵) چھوٹے حروف والی مہمل تحریر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والا شخص کچھ نہیں ہے۔

(۱۶) بڑے حروف کی تحریر اگر وہ قسم اعلےٰ میں ہو ظاہر کرتی ہے کہ صاحب تحریر کی تمنائیں بلند ہیں وہ فیاض طبع اور کشادہ دل ہے۔ اپنی ذات پر اعتماد کامل رکھتا ہے اور اسکے مزاج میں کسی قدر غرور و نخوت بھی ہے۔ غیر تعلیم یافتہ لوگ اور بچے بھی بڑے بڑے حروف لکھا کرتے ہیں۔ اور ایسی ہی تحریر ان لوگوں کی بھی ہوتی ہے جو ضعف بصر میں مبتلا ہیں۔ اگر وہ شخص بھی جس کی بصارت درست ہے کم روشنی میں خط لکھنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کے حروف غیر شعوری طور پر پھیل جاتے ہیں حتیٰ کہ قد و قامت میں ان حروف سے دُگنے ہو جاتے ہیں۔ جو وہ بحالت طبعی لکھتا ہے۔

(۱۷) اعلےٰ قسم کی تحریر جس کے حروف کا رخ بلندی کی جانب ہو یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ لکھنے والے میں شوق عمل، حوصلہ، سرگرمی اور شگفتہ مزاجی ہے۔ اور زندگی کے متعلق اس کا مطمح نظر بڑا امید ہے اگر یہ تحریر ادنےٰ قسم کی ہے تو سمجھ لیا جائے کہ صاحب تحریر میں تصنع، شیخی اور بیہودہ غرور و نخوت ہے۔

(۱۸) وہ تحریر جسکے حروف کا رُخ جانب پستی ہو مظہر ہے دل شکستگی، حزن و ملال، تن آسانی، مایوسی اور اکثر خرابی صحت کی۔

(۱۹) عمودی تحریر ظاہر کرتی ہے کہ صاحب تحریر کے مزاج میں سرد مہری ہے مگر اس کے ساتھ اس میں قوت استدلال اور کسی قدر قوت تخئیل بھی موجود ہے۔ اس قسم کا شخص صرف اپنے ہی کو دیکھتا ہے۔ اسے دوسروں سے صرف اسی قدر دلچسپی ہوتی ہے جس قدر وہ اس کی خدمت کرتے ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس سے ملاقات کرنے آئیں اور متنظر توجہ رہیں۔ اگر کوئی شخص اس کی ذات یا اس کے کاروبار میں کسی قسم کا بھی دخل دیتا ہے تو اسے ناگوار گذرتا ہے۔

(۲۰) ایسی تحریر جس کے حروف کا رخ عقب کی طرف جھکا ہوا ہو بے اعتمادی ظاہر کرتی ہے۔ ایسی تحریر سے ایسے شخص کے کردار کا اظہار ہوتا ہے جس میں اوائل عمر ہی سے خرابیاں واقع ہو گئی تھیں۔ جس کا باعث غالباً صحبت نا اہلاں یا بچپن کی غلط فہمیاں ہوئی ہوں گی۔ غنچہ دل کھلنے نہ پایا تھا کہ مرجھا کر رہ گیا۔ رفتہ رفتہ طبیعت میں خلوت گزینی کی عادت پیدا ہو گئی۔ علاوہ ازیں جذبات و محسوسات کو دبانے کی عادت پڑ گئی۔ اس قسم کے اوضاع و اطوار کا شخص اپنی فکر تو کر سکتا ہے۔ لیکن اس میں حقیقی ہمدردی نہیں ہوتی اور وہ ہمیشہ اعتماد باہمی، ایثار نفسی اور کھلے ہوئے خلوص کی لذت سے محروم رہتا ہے۔

جن لوگوں کی تحریر کے حروف عقب کی طرف کھلے ہوئے ہوتے ہیں، وہ عموماً زندگی کی خصوصیات ظاہری کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ ان لوگوں میں اکثر ذوق سلیم بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن جس قدر وہ فنون لطیفہ

کے دلدادہ ہوتے ہیں، اس قدر وہ مناظر قدرت سے لطف نہیں اُٹھاتے۔ وہ ہمیشہ زمانہ کے ساتھ چلتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ان کا ماحول اور لباس وغیرہ زمانۂ حال کے مطابق ہو۔ اگرچہ ان کے احباب اور شناساؤں کی تعداد بہت کثیر ہوتی ہے۔ لیکن وہ غالباً زندگی بھر میں یہ دعوےٰ نہیں کرسکتے کہ ان کا کوئی ایک شخص بھی گہرا دوست ہے۔

(۲۱) جس تحریر کے حروف داہنی طرف میل رکھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والا قوت تخئیل کا مالک ہے۔ اور اسکی طبیعت ہمدردانہ، محبت شعار اور حساس واقع ہوئی ہے۔

(۲۲) اعلےٰ قسم کی تحریر جس کے حروف بے ترتیب ہوں، مگر باوجود بے ترتیبی کے خوش نما اور ہم آہنگ ہوں یہ ظاہر کرتی ہے کہ لکھنے والے میں زندہ دلی، چستی چالاکی، تنوع اور سلیقہ موجود ہے۔ صاحب التحریر خود کو زندگی کی ہر حالت اور ہر پوزیشن کے مطابق کرلیتا ہے۔ اور اس سے پورا فائدہ اٹھاتا ہے۔

اگر ادنےٰ قسم کی تحریر کے حروف بے ترتیب ہیں، یعنی ایک حرف ایک طرف کو جاتا ہے اور دوسری طرف کو علاوہ ازیں حروف بھی بے ڈھنگے پن سے ثبت ہوں۔ حروف کے قد و قامت میں بھی فرق ہو تو اس سے تلون مزاجی، عدم استقلال۔ اور بے اعتباری کا اظہار ہوتا ہے۔ ایسا شخص دعوےٰ تو یہ کرتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے مگر فی الحقیقت جانتا کچھ نہیں۔

(۲۳) بے ربط اور پریشان حروف کی تحریر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر کی طبیعت میں کسی قسم کا نظم نہیں ہے۔ دل میں خیالات آتے ہیں مگر بے نتیجہ رہ جاتے ہیں۔ اس کا دل ایک موضوع سے دوسرے موضوع کی طرف دوڑتا ہے۔ لیکن کبھی ایک جگہ قائم نہیں رہتا۔

عکس دستخط

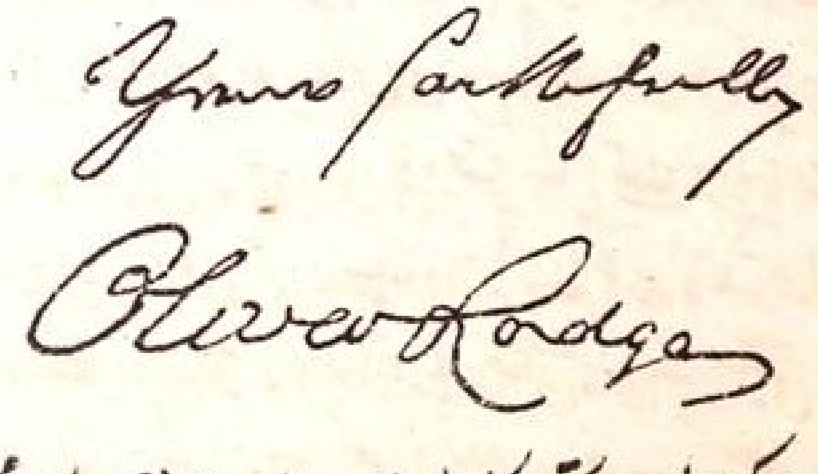

"یہ نمونہ ظاہر کرتا ہے کہ صاحب تحریر کا دل امیدوں سے معمور اور پُر از حوصلہ ہے۔ حروف کی زیر و بالا کشش سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والے میں جسمانی اور دماغی سرگرمی بہت زیادہ ہے۔ جنبش قلم کے ساتھ ساتھ تیزی فکر بھی موجود ہے۔ حروف کا جو میلان

جانب راست ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والا صاحب شعور آدمی ہے۔"

(۲۴) گندہ تحریر اگر اعلیٰ قسم کی ہے تو صاحب تحریر کی عیش پسندی اور اگر ادنیٰ قسم کی ہے تو لکھنے والے کی سفاکی اور شقاوت قلبی ظاہر کرتی ہے۔

(۲۵) بھدی اور غیر معمولی تحریر "تصنع" کا اظہار کرتی ہے۔

(۲۶) جس تحریر سے ارتعاش ظاہر ہوتا ہو وہ کبر سنی، اشتعال طبع یا خرابی صحت کا اظہار کرتی ہے۔

(۲۷) ٹوٹی ٹوٹی تحریر یعنی جس کے حروف کی کشش جگہ جگہ سے جدا ہو، عوارض قلب کا اظہار کرتی ہے اور یہ بھی خبر دیتی ہے کہ لکھنے والے پر فالج کا حملہ ہونیوالا ہے۔

(۲۸) پھیلی ہوئی تحریر جس کے آخری حروف داہنی طرف کو بڑھے ہوئے ہوں تن آسانی، خوش پسندی اور اسراف کا اظہار کرتی ہے۔

(۲۹) بہت گنجان یعنی "گچ پچ" تحریر سے حرص و آز کا اظہار ہوتا ہے۔

(۳۰) تیز تحریر جس میں حروف کی کشش بہت بڑی اور بہت زیادہ ہو، فکر اور اظہار خیال کی تیزی پر دال ہے۔ اگر ایسا شخص کبھی کبھی اس اصول پر عمل کیا کرے کہ خاموشی بہت اچھی چیز ہے تو بہت اچھا ہوگا۔

(۳۱) ایسی تحریر جس کے حروف میں تمام زاویے ہوں۔ پیچ و خم کہیں نہ ہو یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ صاحب تحریر نہایت سرکش ہے۔ کسی کی نہیں مانتا اور مزاج بھی غیر مطبوع رکھتا ہے۔ جو لوگ اس طرح لکھتے ہیں وہ ہرگز ملنسار اور محبت شعار نہیں ہوتے، وہ ہمیشہ جلی کٹی سنانا اور سخت جواب دینا پسند کرتے ہیں یہ بہتر ہوگا کہ ایسے لوگوں سے دور رہا جائے۔ ایسے لوگ ظالم بھی ہو سکتے ہیں۔

(۳۲) اینٹھی ہوئی تحریر جس میں حروف ایک دوسرے سے بہت زیادہ ملے ہوئے ہوں بشرطیکہ وہ قسم اعلےٰ میں داخل ہو، یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ صاحب تحریر سے میل جول پیدا کرنا بہت مشکل ہے۔ اسکے مزاج میں بھی بخل ہے۔ اگر تحریر قسم ادنےٰ کی ہے تو لکھنے والے کے ابتذال و دنائت پر دال ہے۔

(۳۳) پھیلی ہوئی تحریر یعنی جس کے حروف کے مابین بہت زیادہ فصل ہو، فضول خرچی، یار باشی اور مخلوق کے آرام و راحت کا خیال ظاہر کرتی ہے۔ اگر ایسی تحریر میں قسم ادنےٰ کے علامات پائے جاتے ہیں تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والے میں ہر جگہ درخور حاصل کرنے کا ملکہ ہے۔ ہر جگہ میل ملاقات اور ربط ضبط پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اور اگر اسے اپنی کوششوں میں کبھی ناکامی ہوتی ہے تو مطلق پروا نہیں کرتا۔

(۳۴) تحریر جو لفافہ کے قد و قامت اور کاغذ خط کے مطابق ہوتی ہے وہ ظاہر کرتی ہے کہ صاحب تحریر سلیقہ شعار، اور صاحب ذوق سلیم ہے۔ عقیل و فہیم ہے اور طبیعت میں بھی لوچ رکھتا ہے۔

(۳۵) ایسی تحریر جس میں سانپ کی طرح لہر یا تموج ہو اگر وہ قسم اعلیٰ کی ہے تو ڈپلومیسی کا اظہار کرتی ہے اگر تحریر قسم ادنیٰ کی ہے تو اس سے ریا و خدع اور مکر و فریب کا اظہار ہوتا ہے۔

(۳۶) ایسی تحریر جس کے الفاظ کے آخری حروف صحیح طور پر پڑھے نہ جاتے ہوں اور وہ باریک خط کی صورت میں مختتم ہوتے ہوں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والے کی طبیعت میں دخل پانا بہت مشکل ہے۔ اس قسم کے لوگ وضاحت مطلب اور صفائی بیان سے گریز کرتے ہیں۔ یہ لوگ عموماً ذکی، مکار اور چالاک ہوتے ہیں۔

(۳۷) ایسی تحریر جس میں الفاظ کے آخری حروف قد میں بڑھ جاتے ہوں، صاف گوئی، پیوستگی خیال، استقلال مزاج، اور سادگی طبع کا اظہار کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسے لوگ عموماً سریع الاعتقاد ہوتے، لہذا بہت آسانی سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔

(۳۸) اگر تحریر میں ہم آہنگی اور خوشنمائی ہے، لیکن کہیں کہیں کوئی حرف یا لفظ بھدا داخل ہو جاتا ہے یا کوئی حرف زاویہ دار پڑ جاتا ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر کی زندگی کسی ناگوار اور غیر مطبوع اثر کی وجہ سے بدمزہ ہو گئی ہے۔

(۳۹) ایسی تحریر جس کے حروف ٹائپ جیسے معلوم ہوتے ہوں حسن مذاق اور فنون لطیفہ کے شوق پر دال ہو۔ نقاش اور مصوروں کی تحریر میں عموماً اسی قسم کی صفائی اور خوش نمائی پائی جاتی ہے۔

(۴۰) بائیں ہاتھ کا صاف اور عمدہ حاشیہ مذاق سلیم پر دلالت کرتا ہے۔

(۴۱) اگر صفحہ کے دونوں طرف حاشیہ چھوڑا جائے تو اس سے تنگ مزاجی اور عالی دماغی کا اظہار ہوتا ہے۔

(۴۲) اگر تحریر میں جگہ جگہ عبارت کے نیچے خط کھینچے جائیں تو اس سے امر کا اظہار ہوتا ہے کہ صاحب تحریر کی طبیعت جلد اشتعال پذیر ہو جاتی ہے۔ مبالغہ پسند واقع ہوئی ہے اور اس میں احساس تناسب کا فقدان ہے۔ جو لوگ اس قسم کی تحریر لکھتے ہیں وہ "کوہ کندن و کاہ بر آوردن" کے عمل سے بہت خوش ہوتے ہیں۔

(۴۳) جس تحریر میں قلم کی لپیٹ اور ضرورت سے زیادہ نمائش قلم نمایاں ہو اس سے زعم و ادعا کا اظہار ہوتا ہے۔

عکس دستخط

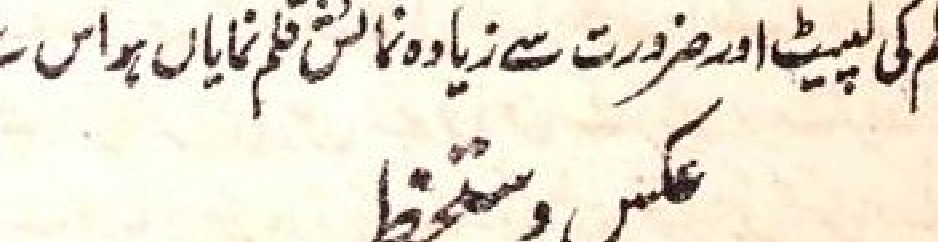

"صاحب تحریر کی فکر عمیق اور منصوبے وسیع ہیں۔ قدرت نے اسے بہت بڑی دماغی اور جسمانی طاقتیں عطا فرمائی ہیں، اور جس قدر اعتماد بالنفس اور استقلال کی خیالات کو صورت عمل دینے کے لئے ضرورت ہے اس قدر اس میں موجود ہے۔"

capital letter (بڑے حروف) اگر زیادہ واضح و نمایاں ہوں تو

(۴۴) حسن تخیل پر دلالت کرتے ہیں۔

(۴۵) چھوٹے اور پست حروف مکاری کا اظہار کرتے ہیں۔

(۴۶) خوبصورت اور دیدہ زیب حروف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والے جمالیات صوری سے کافی مذاق حاصل ہے۔

(۴۷) گتھے ہوئے دیدہ زیب حروف یہ بات ظاہر کرتے ہیں کہ صاحب تحریر ایک متکبر و متمرد شخص ہے۔

(۴۸) تحریر میں ایسے حروف کلاں لکھنا جن کی کرسی بقیہ لفظ سے پست ہو، جذبہ تحفظ کا اظہار کرتا ہے اور اس میں کسی قدر حصہ خود پسندی کا بھی پایا جاتا ہے۔

(۴۹) تحریر میں ایسے حروف کلاں لکھنا جن کا بقیہ حروف تحریر سے کوئی تناسب نہ ہو ہسٹیریا اور دیوانگی کو ظاہر کرتا ہے۔

(۵۰) اگر تحریر میں حروف کلاں کو لفظ مابعد کے حرف ابتدائی سے جوڑ دیا جائے تو اس سے ایثار، سخاوت اور پرانے دوستوں اور مشاغل سے محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

(۵۱) اگر بقیہ لفظ میں شامل ہونے سے قبل کسی حرف کلاں میں حلقہ بنایا جائے تو اس سے جماعتی اسپرٹ، جتھابندی، محبت اہل و عیال اور دوستوں سے وفاداری کا اظہار ہوتا ہے۔

(۵۲) اگر کسی لفظ کا ابتدائی حرف کلاں بقیہ لفظ سے الگ تھلگ کسی قدر فصل کے ساتھ لکھا جائے اور اس کا بقیہ لفظ سے کسی طرح بھی میل نہ ہو تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر کی طبیعت آزادی پسند واقع ہوئی ہے۔ ایسا شخص بال بچوں یا تعلقات دوستانہ کی کوئی پروا نہیں کرتا۔ وہ پرانے احباب کے مقابلہ نئے دوستوں کو پسند کرتا ہے۔

(۵۳) اگر تحریر میں علامات وقف (Punctuation) صحیح ہیں تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر تفصیلات پر خوب نگاہ رکھتا ہے اور اسے صحت کا بہت شوق ہے۔

(۵۴) اگر تحریر میں صحیح علامات وقف نہیں ہیں تو اس سے لکھنے والے کی نسبت یہ ظاہر ہوتا ہے کہ

کہ وہ خالی الذہن اور بے پرواہ ہے۔ اور اس میں نظم و ترتیب کا فقدان ہے۔ ایسے لوگوں کے خیال میں چھوٹی چھوٹی معمولی باتیں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ مگر وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ کامیابی اور ناکامی کے درمیان کتنا فرق ہے۔

(۵۵) ایک ذرا سا خط یا کشش جو دو لفظوں کو جدا کردے دوراندیشی کا مظہر ہے۔ اگر یہ خط مستقیم ہے تو انصاف پسندی ظاہر کرتا ہے اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ لوگ دیانت اور انصاف سے کام کریں اگر یہ خط لہردار ہے تو اس سے سلیقہ اور شوق نمائش کا اظہار ہوتا ہے۔

(۵۶) تحریر کے اندر علامات وقف کا بیجا استعمال (اگر تحریر قسم اعلےٰ کی ہے) ظاہر کرتا ہے کہ لکھنے والا جوشیلا آدمی ہے۔ اگر تحریر قسم اوسط کی ہے تو اس سے قوت تمیز کے فقدان کا اظہار ہوتا ہے ایسے لوگوں کی نسبت یہ اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں مسلسل خیال آرائیوں کے باعث ان کا دماغ نہ چل جائے۔

(۵۷) اگر لفظ کے اندر تمام حروف مسلسل یعنی جڑے ہوئے ہیں تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر کی طبیعت عقلیت پسند ہے اس کا استدلال مسلسل ہوتا ہے۔ لیکن مقررہ اصول سے باہر نہیں ہوتا۔ ایسی تحریر لکھنے والے لوگ کورانہ تقلید پر مائل ہوجاتے ہیں۔ اپنے لیڈر کے پیچھے بھیڑوں کی طرح چلتے ہیں۔ اگر قسم اعلےٰ کی تحریر میں یہ بات پائی جاتی ہے تو اس سے تسلسل خیالات کا اظہار ہوتا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر کسی تدبیر کو شروع سے آخر تک پوری طرح جزرسی کے ساتھ سوچ لیتا ہے۔

(۵۸) جدا جدا حروف جو پہلو بہ پہلو ثبت ہوں یہ بات ظاہر کرتے ہیں کہ صاحب تحریر میں ایک قوت خلاق موجود ہے، صاحب بصیرت ہے اور عقل و فہم رکھتا ہے۔ بقول ایبے میشون یہ بات علامت عقم ہے۔ یہ خصوصیت ہم نے ایک خاتون میں دیکھی تھی۔ جنھوں نے ریاضیات میں اعلےٰ اعزاز حاصل کیا تھا اور دو بچوں کی ماں بھی تھیں۔ یہ ایسی مثال ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ "استثناء سے کلیہ ثابت ہوتا ہے"

(۵۹) اگر تحریر کے اندر دو دو و تین تین حروف ایک جگہ جمع ہوں تو اس سے قوت تقابل، وانتخاب اور سرعت ذہنیت کا اظہار ہوتا ہے۔ جو لوگ ایسی تحریر لکھتے ہیں۔ ان کا حافظہ بہت تیز ہوتا ہے اور وہ یہ سلیقہ رکھتے ہیں کہ وہ اپنے مبلغ معلومات سے بہترین کام لیں۔ ایسے لوگ بہترین مورخ ہوتے ہیں اور انھیں تدبیر و سیاسیات میں بھی کچھ کم دخل نہیں ہوتا۔

(۶۰) اگر تحریر میں کسی لفظ کا آخری حرف بڑھ کر دوسرے لفظ کے حرف اول سے ملجاتا ہے تو یہ ظاہر کرتا ہے کہ صاحب تحریر کے وعدہ کا اعتبار کرنا چاہئے۔ ایسا شخص بغیر پورا کئے کسی کام سے دستبردار نہیں ہوتا۔ ڈیوٹی چھوڑنے پر مرجانے کو ترجیح دیتا ہے۔ ایسے شخص میں انتہا درجہ کا ثبات و پامردی ہوتی ہے۔ بلکہ اس جذبہ سے بعض اوقات وہ خود بھی نقصان اٹھالیتا ہے۔

(۶۱) حروف کے اندر حلقے، پیچ وخم، اور آخری حروف کا ضرورت سے زیادہ بڑا ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ صاحب تحریر معمولی واقعات میں بھی مبالغہ سے کام لیتا ہے۔ اس قسم کے لوگ چار پانچ آدمیوں کے مجمع کا حال بیان کرتے ہوئے اسے "انبوہِ کثیر" اور "جم غفیر" سے تعبیر کرینگے۔

(۶۲) حروف کی زیر و بالا کشش جو بیک جنبش قلم واقع ہوئی ہو اور جس میں کسی قسم کا پیچ وخم یا حلقہ نہ ہو یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ صاحب تحریر کا ذہن بہت شائستہ ہے۔ اس میں شرم وحیا، عزت اور استقلال کا احساس موجود ہے۔ اسکا دماغ پریشان نہیں ہوتا۔

"جس شخص کی تحریر کا یہ نمونہ ہے وہ محض اپنی شخصیت کے زور سے ہر طبقہ پر اثر ڈال سکتا ہے"

(۶۳) موٹی موٹی اور پھیلی ہوئی کششوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر عیش طلب اور شہوت پرست ہے۔

(۶۴) اگر تحریر میں لفظ کے آخری حروف داہنی جانب پھیلے ہوئے ہوں تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر محبت کا بھوکا ہے۔ فیاض ہے اور چاہتا ہے کہ لوگ اسکے کام کی داد دیں۔ لیکن اگر آخری حروف ضرورت سے زیادہ بڑھ جائیں اور اس علامت کی تکرار بار بار ہوتی ہو تو یہ ظاہر ہوگا کہ لکھنے والا خطرناک جذبۂ رشک و حسد رکھتا ہے اور وہ ایسا شخص ہے جو انتقام لینے سے بھی نہ چوکے گا۔

(۶۵) لفظوں کے آخری حروف اگر چھوٹے چھوٹے ہوں تو اس سے کفایت شعاری کا اظہار ہوتا ہے۔ اگر تحریر قسم اعلیٰ سے تعلق رکھتی ہے تو دور اندیشی کی علامت ہے۔ اور اگر قسم ادنےٰ میں داخل ہے تو بے اعتمادی سمجھنا چاہیے۔

(۶۶) الفاظ کے آخری حروف اگر بائیں طرف کو خم کھا جائیں تو اس سے خود غرضی ظاہر ہوتی ہے۔

(۶۷) الفاظ کے آخری حروف اگر بالکل مستقیم ہوں تو اظہار ثبات و پامردی کرتے ہیں۔

(۶۸) اگر الفاظ کے آخری حروف زاویہ دار ہوں تو صاحب تحریر مستقل مزاج آدمی ہے۔

(۶۹) اگر الفاظ کے آخری حروف گولائی لئے ہوں تو نیک مزاجی، حسن اخلاق اور احساس حسن ظاہر ہوتا ہے۔

(۷۰) اگر الفاظ کے آخری حروف کانٹے جیسی صورت رکھتے ہوں تو اس سے طبیعت کا ضدی ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

(۷۱) اگر لفظ کا آخری حرف اوپر کی طرف نمایاں طور سے بڑھ جائے تو اس سے توہم پرستی، تصوف پسندی اور علم روحانیات سے دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔ اگر یہ علامت تحریر کے اندر متواتر نمایاں ہو اور مبالغہ کے درجہ تک پہونچ جائے تو سمجھنا چاہیئے کہ صاحب تحریر کسی خیالی یا حقیقی رنج والم میں مبتلا ہے۔ ایسی علامتیں ان لوگوں کی تحریروں میں عموماً پائی گئی ہیں۔ جنھوں نے بذریعۂ خودکشی جان دی۔ یہ علامت سب سے زیادہ تجربہ میں آچکی ہے۔

(۷۲) اگر تحریر میں الفاظ کے آخری حروف میں سے بعض جانب راست بڑھ جاتے ہوں اور دوسرے حروف لفظ کے قریب ہی ختم ہو جائیں تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر کو دنیا کا بہت تلخ تجربہ ہوا جس کے باعث اب اسکی طبیعت میں انسانیت اور فیاضی پیدا ہو گئی ہے۔

(۷۳) اگر تحریر میں ایک دو حروف غیر معمولی طور پر زاویہ دار واقع ہوں تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر کے دل میں بعض ایسے خیالات پیدا ہوتے ہیں جنکی وجہ سے اُس کی موافقت دوسرے لوگوں سے نہیں ہوتی۔

(۷۴) اگر برابر قد و قامت کے حروف کے درمیان کوئی حرف صورت سے زیادہ چھوٹا یا مسخ شدہ معلوم ہو تو خیال گذرتا ہے کہ صاحب تحریر سے غیر متوقع طور پر خفیف الحرکاتی سرزد ہو گی۔

(۷۵) اگر آخری لفظ یا الفاظ سطر کے آخری حصہ میں گھٹے ہوئے لکھے جائیں اور صفحہ میں جانب پستی مائل ہوں تو ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والے میں کاروباری مادہ نہیں ہے۔ اور مالی معاملات میں دور اندیشی سے کام نہیں لیتا۔ اور چونکہ اپنی آمدنی کو طریقہ کے ساتھ صرف نہیں کیا اسلئے تو اب وہ بھدے اور ناخوشگوار طور پر کفایت شعاری کرنا چاہتا ہے۔

(۷۶) جو حروف حلقہ یا پھندے سے شروع ہوتے ہیں وہ لکھنے والے کی انانیت کا اظہار کرتے ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ صاحب تحریر کچھ فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والا تحائف قبول کرنیکا بہت شوق رکھتا ہے اور اپنے دنیوی مقبوضات سے اسے بہت محبت ہے۔

(۷۷) ڈورے کی طرح حروف سے مکاری اور سازش ظاہر ہوتی ہے۔ ایسا شخص اپنا کام چلانے کے لئے سازش کرنا بہت پسند کرتا ہے۔ الغرض یہ شخص دھوکے باز اور مکار ہوتا ہے۔

(۷۸) جو حروف عام طور سے بند کر دئے جائیں وہ قوت تیز صحت پسندی اور خودداری ظاہر کرتے ہیں۔

(۷۹) اگر حروف اوپر سے کھلے ہوئے ہوں تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر بہت صاف گو اور نڈر ہے۔ رازداری کا مادہ رکھتا ہے اور اس کا دل بھی صاف ہے۔ اگر تحریر اوسط درجہ کی ہے یا ادنےٰ درجہ کی تو سمجھنا چاہیئے کہ لکھنے والا باتونی ہے۔ ایسے لوگ اپنا اور اپنے دوستوں کا راز بلا پس و پیش کھول دیتے ہیں۔ لیکن نیت انکی نیک ہوتی ہے۔

(۸۰) جو حروف نیچے سے کھُلے ہوئے ہوں وہ دروغبافی اور نفاق کو ظاہر کرتے ہیں۔

(۸۱) جن حروف کے آخری حصے موٹے ہوں (اگر تحریر قسم اعلےٰ کی ہے) ان سے ثبات و استقلال کا اظہار ہوتا ہے لیکن

اگر تحریر ادنےٰ ہو تو سفاکی اور شقاوت قلبی ظاہر کرتے ہیں۔

(۸۲) متنوع حروف (یعنی جن میں کوئی عمودی ہو کوئی جھکا ہوا وغیرہ) وہ قوت عصبی، حساسی اور اثر پذیری ظاہر کرتے ہیں۔

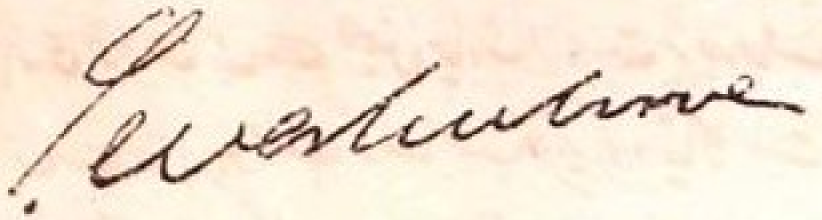

"نمونہ مندرجہ بالا سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر ہمدرد، فیاض، ذکی، ہے، بہت بڑی ذہنی قوت رکھتا ہے اور محبت شعار ہے۔ بے غرض اور حساس ہے۔"

علامات خصوصی

A

چھوٹا اے (a) اوپر سے کھلا ہوا ہو تو صاف دلی اور لسانی ظاہر کرتا ہے اگر بند ہو تو قوت امتیازی کا مظہر ہے۔

اگر نیچے سے کھلا ہوا ہو تو ظاہر کرتا ہے کہ لکھنے والا قابل اعتبار اور راستگو آدمی نہیں ہے۔

اگر گاہے کھلا اور گاہے بند ہو تو ظاہر کرتا ہے کہ لکھنے والا بظاہر صاف گو اور باتیں بنانیوالا ہے۔ لیکن اس میں یہ مادہ بھی ہے کہ اگر وہ مناسب نہ سمجھے تو کسی وقت اپنی رائے کو محفوظ بھی رکھ سکتا ہے۔

اگر نیچے سے کھلا ہوا ہو تو ظاہر کرتا ہے کہ لکھنے والا قابل اعتبار اور راستگو آدمی نہیں ہے۔

اگر یونانی حرف الفا (α α) کی صورت کا ہو تو ظاہر کرتا ہے کہ صاحب تحریر مہذب اور صحبت یافتہ آدمی ہے لیکن اپنے علم وفضل کو ظاہر کرنے کا بھی شوق رکھتا ہے۔

اگر تاگے کی طرح باریک ہو تو یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ لکھنے والے کو سازشیں کرنے کا بہت شوق ہے۔

B

چھوٹی (b) میں اگر نیچے کا حلقہ پھیلا ہوا ہو تو روشن خیالات کا اظہار کرتا ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ شخص مذکور کی طبیعت مائل بہ مبالغہ رہتی ہے۔

اگر یہ حلقہ طویل بنایا جائے تو استقامت، سادگی، اور بلا تصنع متانت وسنجیدگی کا اظہار کرتا ہے۔

C

اگر بڑا (c) اس طرح لکھا جائے کہ اس کا حصۂ زیریں پورے لفظ کے نیچے بطور خط مستقیم ہو پہنچ جائے تو اس سے جذبۂ تحفظ کا اظہار ہوتا ہے جس میں کسی قدر غرور و نخوت اور خود پسندی بھی شامل ہے۔

چھوٹا (c) جس کا بالائی حصہ گھونگھے کی طرح خمیدہ ہو یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ لکھنے والے میں مالی انتظام کا بہت سلیقہ ہے اور اسے انتظام امور سے فطری قابلیت حاصل ہے۔

اگر بے پروائی سے بنایا جائے جس کے اوپر والے سرے میں ذرا سا خم ہو یا بالکل نہ ہو تو وہ اپنے کاروبار کی طرف زیادہ متوجہ ہوگا۔

D

چھوٹا (d) جسکی بالائی کشش سیدھی ہو سادگی کا اظہار کرتا ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ لکھنے والے میں مادہ اختراع نہیں ہے۔ وقت پر دوسروں سے دب جاتا ہے۔ اور "مرنجان و مرنج" قسم کی طبیعت کا آدمی ہے۔

اگر عقب کی طرف خم کھا کر وہیں ختم ہو جاتا ہے تو انانیت اور مسدود شدہ ترقی کا مظہر ہے۔

چھوٹا (d) پھندا بناتا ہوا اگلے حرف سے مل جائے تو سلسل خیالات اور استقراء نتائج پر دلالت کرتا ہے۔

اگر اس میں دوہرا پھندا ہو تو افراط پسندی، روشن تخیّل اور فقدان ضبط نفس کا اظہار کرتا ہے۔

اگر بالائی کشش پیچ و خم کھا کر بصورت حلقہ بنجائے تو غرور و نخوت اور تصنّع کی علامت ہے۔

اگر چھوٹا (d) لفظ کے آخر میں ہو اور اسکی بالائی کشش اوپر کے سرے پر جا کر خمیدہ ہو جائے اور اسکا میلان آگے کی جانب ہو تو یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ لکھنے والے میں نتائج و عواقب کی طرف سے بے پروائی ہے۔

E

چھوٹا یونانی وضع کا (e)، روشن دماغی، علمی قابلیت اور ذوق ادب کا اظہار کرتا ہے۔

اگر وہ دو خمیدہ خطوط کی لپیٹ سے قاف کوہ کی طرح بنایا جائے اور وہ دونوں خطوط منحنی اوپر جا کر اس طرح ملیں کہ پھندا نہ بنے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ لکھنے والے کی طبیعت میں فطری فیاضی تو نہیں تھی مگر لوگوں کی دیکھا دیکھی دریا دلی پیدا ہو گئی ہے۔ اس قسم کا حرف اکثر ان ادب پیشہ لوگوں کی تحریروں میں پایا جاتا ہے جو مخیّر بنجاتے ہیں۔

G

چھوٹا (g) جو آٹھ کے لمبوترے عدد (8) کی طرح بنایا جائے یہ بات ظاہر کرتا ہے کہ لکھنے والا اگرچہ خود دنیا دار آدمی نہیں ہے لیکن اس میں امور دنیوی کے اہتمام و انصرام کا زبردست سلیقہ حاصل ہے۔

I

بڑا (I) اگر ٹائپ کی وضع کا لکھا جائے تو ذوق فنون لطیفہ پر دلالت کرتا ہے۔

چھوٹا (i) جس پر بہت بلند نقطہ لگایا گیا ہو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر علوم باطنی کا شوق رکھتا ہے اور امکنۂ مقدسہ کی بھی بہت عزت و حرمت کرتا ہے۔

اگر نقطہ زیادہ آگے بڑھا ہوا ہو تو مادۂ اختراع، جودت طبع، زندہ دلی اور مستعدی عمل ظاہر کرتا ہے۔

اگر نقطہ حرف سے پیچھے رہگیا ہو تو عدم استقلال اور فقدان جوش ظاہر کرتا ہے۔

اگر نقطے کہیں ہلکے اور کہیں گہرے ہوں تو ان سے چستی و چالاکی مگر کسی قدر بے پروائی ظاہر ہوتی ہے۔

اگر نقطہ بہت کمزور ہو تو صاحب تحریر کی کمزوری اور بزدلی پر دلالت کرتا ہے

اگر نقطہ بھاری ہو تو لکھنے والے میں عزم و استقلال اور شوق نشاط کا اظہار کرتا ہے۔

اگر تحریر میں اس حرف کے نقطے صفحہ بھر میں ادھر ادھر پریشان ہوں تو وہ یہ بات ظاہر کرتے ہیں کہ لکھنے والے کو کسی عارضہ کے باعث سانس لینے میں کسی قدر دقت محسوس ہوتی ہے۔

دستخط کے بعد اگر نقطہ لگا دیا جائے تو اس سے صاحب تحریر کا حزم و احتیاط ظاہر ہوتا ہے۔

L

بڑا حرف (L) اگر اس طرح لکھا جائے کہ اسکی کرسی کے مقام پر ایک پھیلا ہوا سا بڑا پھندا بنجائے۔ (جیسے L) تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر اپنے مقام و مرتبہ کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔

M

اگر بڑے (M) میں پہلی کشش دوسری سے بلند ہو تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر خود کو بہت کچھ سمجھتا ہے۔ اگر وہ کسی بات میں اپنی کسرشان دیکھتا ہے تو اسے سخت ناگوار گذرتا ہے۔

اگر بڑے (M) میں دوسری کشش پہلی سے بلند ہو تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر اپنی موجودہ حالت زندگی سے غیر مطمئن ہے۔ اور جن لوگوں میں وہ معاشرتی زینہ پر خود سے بلند مقام سمجھتا ہے ان سے حسد کرنے لگتا ہے۔

اگر بڑے (M) میں دونوں کششیں بلندی میں برابر ہوں تو اس سے قناعت اور منطقی ذہنیت کا اظہار ہوتا ہے۔

اگر بڑا (M) خطِ کرسی سے شروع کرنے کے بجائے ایک بڑے (m) کی صورت میں لکھا جائے تو اس سے فقدان ذکاوت وجودت کا اظہار ہوتا ہے۔ اگر اس وضع سے لکھے ہو (m) درمیانی کشش اور پہلی اور آخری سے بلند ہے تو ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والا حصول عزت وجاہ کا آرزومند ہے۔ اور وہ دنیائے فانی کی نمائشی مسرتوں کا بہت دلدادہ ہے۔

اگر حرف (M) کی دونوں کششوں میں بہت زیادہ فصل ہو تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر اس قسم کے بیہودہ اور گستاخ لوگوں میں ہے جو انگلی پکڑ کر پہونچا پکڑنا چاہتے ہیں۔

اگر بڑا (M) پھندیدار باریک خط سے شروع ہو تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر خود غرض آدمی ہے۔ اور اسے مال ومتاع دنیوی کے حصول کا بہت شوق ہے۔ اس قسم کے لوگوں کو تحفہ تحائف اور نذر و پیشکش قبول کرنے کا بہت شوق ہوتا ہے۔ اگر تحریر عمدہ اور دیدہ زیب ہو۔ لیکن اس میں بھی یہی عیب پایا جاتا ہو تو صاحب تحریر کو لازم ہے کہ وہ فکر و تامل اور سوچ بچار میں کم منہمک رہا کرے اسے چاہیئے کہ اپنی فکر زیادہ نہ کرے۔ بلکہ دوسروں کا خیال رکھا کرے، اور حصول کے مقابلہ میں بخشش کا زیادہ خیال رکھے۔

اگر حرف (M) کی دونوں کششیں بہت متصل اور اینٹھی ہوئی ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تحریر بیچین، اور بزدل اور ضیق میں مبتلا ہے۔

N

چھوٹا (n) اگر تحریر میں بہ شکل (u) لکھنے میں آئے تو اس سے مہر و مروت اور نیک طبعی کا اظہار ہوتا ہے۔

P

اگر حرف (P) بڑا، نمایاں اور ایسا لکھا جائے کہ اوپر کا حصہ بہت زیادہ نمایاں ہو تو اس کبر و نخوت کا اظہار ہوتا ہے۔

اگر چھوٹا (p) اس طرح لکھا جائے کہ ابتدا سے انتہا تک کاغذ پر سے قلم نہ اٹھے تو یہ علامت فوقیت و علوئے مرتبہ کی ہے۔

Q

اگر بڑا حرف (Q) اسطرح لکھا جائے جیسے ایک بڑا خوبصورت عدد (2) تو اس سے ذہنی قابلیت کا اظہار ہوتا ہے۔

R

اگر چھوٹا (r) بشکل (r) لکھا جائے تو یہ علامت ہے اس بات کی کہ صاحب تحریر کاہل تن آسان اور بے پروا شخص ہے۔ مگر تکلفات ظاہری اور عیش پرستی پر مرتا ہے۔

اگر چھوٹا (r) خوش وضع لکھا جائے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حرف کی تسوید میں دوبارہ قلم لگایا گیا ہے۔ تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر کو ترقی کرنیکی خواہش ہے اور اس کا خیال عموماً افکار اولین کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

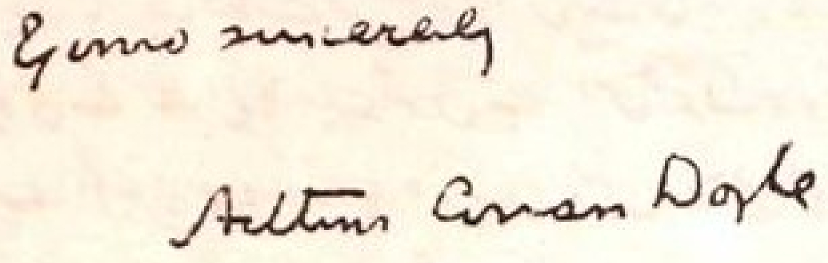

"اس نمونہ میں حرف (t) کے خط قاطع سے کاروباری حوصلہ اور شوق سیر و سیاحت ظاہر ہوتا ہے۔ اور حرف (i) کا جو نقطہ کسی قدر بلندی سے دیا گیا ہے تو اس سے علو تخیل کا اظہار ہوتا ہے۔

T

فن فراست التحریر میں یہ امر بہت اہم ہے کہ لکھنے والا حرف (t) کو کس طرح کاٹتا ہے۔ کیونکہ اسی واقعہ سے صاحب تحریر کی قوت ارادی کا اظہار ہوتا ہے۔

چھوٹا حرف (t)، اگر اس طرح کاٹا جائے کہ خط قاطع اصلی حرف سے اوپر ہو تو اس سے خودسری اور کسی کی ماتحتی سے بیقراری کا اظہار ہوتا ہے اور صاحب تحریر حصول اقتدار کا شائق معلوم ہوتا ہے۔

اگر خط قاطع بہت نیچا ہے تو اس سے لکھنے والے کی حلیم الطبعی بلکہ "کمزوری" کا اظہار ہوتا ہے۔

اگر اس طرح کاٹا جائے کہ خط قاطع اصلی حرف کے آگے ہو تو اس سے شوق سیاحت کاروباری حوصلہ مندی اور جودت طبع کا اظہار ہوتا ہے۔ اس قسم کے آدمی کی طبیعت میں پیش روی کا شوق ہوتا ہے۔ ضرورت کے وقت ایسا آدمی بہت کام آتا ہے۔ کیونکہ وہ عین وقت پر کچھ نہ کچھ فکر و تدبیر کر کے کام نکال لیتا ہے۔

اگر حرف (t)، میں خط قاطع اصلی حرف سے پیچھے ہو تو اس سے اظہار پس و پیش کمزوری طبع اور قوت

فیصلہ کے فقدان کا اظہار ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو زندگی بھر ناقابل عبور مشکلات کا سامنا رہتا ہے۔ اور جو کام وہ کرتا ہے اس پر اعتراضات ضرور ہوتے ہیں۔ اس قسم کے لوگ ہمیشہ کام خراب کرتے ہیں۔ اس لئے انھیں کبھی کوئی اہم عہدہ نہ دینا چاہیئے۔

اگر حرف (ٹ) کا خط تقاطع لمبا ہے تو اس سے فصاحت و بلاغت کسی قدر تہور، اور جودت طبع کا اظہار ہوتا ہے۔ تیز لکھنے والے لوگ عادتاً اس قسم کا تقاطع کرتے جاتے ہیں۔

چھوٹا خط تقاطع مسدود قوت عمل کا مظہر ہے۔ صاحب تحریر اپنی طاقت اور اپنا وقت بغیر سوچے سمجھے ضائع نہیں کرتا ہے۔

ایک قوی اور طاقتور خطِ تقاطع، قوت عمل اور عزم و استقلال کا اظہار کرتا ہے۔

کمزور خط تقاطع بے پروا طبیعت ظاہر کرتا ہے۔

اوسط درجہ کا خطِ تقاطع جبکا حصہ آخری نوکدار ہو۔ قابلیت تنقید پر دلالت کرتا ہے۔ ایسا شخص لوگوں کے کردار و اطوار کا اندازہ خوب کرتا ہے۔ اور جس طرح وہ دوسروں کے عیوب دیکھتا ہے۔ اسی طرح وہ احتساب نفس کرکے اپنے عیوب بھی دیکھ لیتا ہے۔

اگر خط تقاطع ابتدا میں موٹا اور آخر میں نوکدار ہے تو اس سے بغض و حسد ظاہر ہوتا ہے۔

ہلکا اور غیر واضح خطِ تقاطع جو کسی قدر پست ہو علامت ابتذال و دنائت ہے۔ ایسا شخص اپنی قابلیت کے زور پر کبھی دنیا میں ترقی نہیں کرسکتا اور نہ وہ شخص کبھی تنہا بغیر کسی کی مدد کے مسلسل کام کرسکتا ہے۔ اسے نہ اپنے قوائے عمل پر اعتماد ہے نہ اپنی قابلیت پر بھروسہ۔ اسلئے وہ کسی اور کی دھن دولت و شہرت سے وابستہ ہونا چاہتا ہے۔

اگر خطِ تقاطع کے آخری سرے پر مچھلی پکڑنے کے کانٹے کی صورت بنجائے تو اس سے کام میں استقلال و پامردی ظاہر ہوتی ہے۔

اگر خطِ تقاطع کے ابتدائی سرے میں مندرجہ بالا صورت ہو تو اس سے پختگی خیال کا اظہار ہوتا ہے۔ ایسا آدمی دھن کا پکا ہوتا ہے۔

اگر خط تقاطع آخر میں آکر زیادہ جلی ہو جائے تو اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ صاحب تحریر مشکلات پر عبور کرنیکا عزم صمیم رکھتا ہے۔ اور اگر اسکے عزائم کی مخالفت ہوتی ہے تو ارادوں میں اور زیادہ تقویت پیدا ہو جاتی ہے۔

مساوی طول کے خطوط تقاطع ایک پُرسکون منطقی طبیعت کی علامت ہیں۔ جو لوگ اپنے حروف (ٹ) اس طرح کاٹتے ہیں وہ بہت سمجھدار کہلاتے ہیں۔ انکی قوت فیصلہ متوازن ہوتی ہے اور وہ اظہار خیال میں کبھی عجلت نہیں کرتے۔

ایک ہی شخص کے خط میں مختلف قسم کے خطوط تقاطع یہ بات ظاہر کرتے ہیں کہ لکھنے والے کی طبیعت میں اعتدال نہیں ہے اور اس میں تنوع اور اثر پذیری کا مادہ ہے۔ اس قسم کے لوگ اپنے مزاج کے تابع ہیں اور مقامی فضا و ماحول سے اثر پذیر ہو جاتے ہیں۔ ان میں تخریبی جذبات بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ان کا فیصلہ حیرت انگیز طور پر صحیح ہوتا ہے اور بعض اوقات انتہا درجہ کا غلط۔ اگر تحریر قسم اعلےٰ کی ہے تو اس سے اظہار تنوع ہوتا ہے۔ اگر تحریر ادنےٰ درجہ کی ہے تو عدم استقلال اور تلون ظاہر کرتی ہے۔

اگر خط تقاطع کا رُخ جانب بلندی ہے تو اس سے تردید کرنے کا شوق ظاہر ہوتا ہے۔

اگر خط تقاطع غائب ہو اور حرف کو زاویہ دار اور کشش کے ساتھ کرسی پر ختم کر دیا جائے تو اس سے کمزور دلی اور فقدان جودت ظاہر ہوتی ہے۔ ایسے شخص کی صحبت ہمیشہ بے مزہ بلکہ ناگوار ہوتی ہے۔ اگر آپ سیاحت کا ارادہ رکھتے ہوں تو ایسے شخص کو کبھی ساتھ نہ لیجیئے۔

اگر خط تقاطع مائل بہ پستی ہو تو اس سے عیب بینی اور ظاہر ہوتی ہے۔

"یہ دستخط مشہور کتاب (Coming through the Ryr) کی مصنفہ کے ہیں۔ جن کا فرضی نام ہیلن ماتھرس ہے۔"

اگر اس حرف کی آخری کشش مائل بہ دست راست ہو تو اس سے ایثار نفس اور لوگوں کی مصیبتوں میں کام آنے کا شوق ظاہر ہوتا ہے۔

اگر اس حرف کی آخری کشش مائل بہ جانب چپ ہے تو اظہار خود غرضی ہوتا ہے۔ ایسے شخص میں لوچ نہیں ہوتا۔ اگر ایسے شخص کی راہ میں روڑا اٹک جائے تو اسے سخت غصہ آتا ہے۔

دستخط صاحب تحریر کے دستخط سے بھی اس کے کردار و اطوار کی شناخت ہو سکتی ہے۔ مثلاً اگر بقیہ تحریر سے دستخط بڑے ہیں تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صاحب تحریر خود کو بہت بڑی چیز سمجھتا ہے اور دوسروں کو ہیچ جانتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے گویا تمام دنیا و مافیہا صرف اسی کی ذات کے لئے عالم تکوین میں آئی ہے۔

(۲) اگر دستخط بقیہ تحریر سے چھوٹے ہیں تو اعلےٰ قسم کی تحریر میں یہ اس امر کی علامت ہے کہ صاحب

تحریر دنیوی عزت و شہرت کو وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔

اگر ایسی تحریر ادنےٰ قسم کی ہے تو اس سے فقدانِ خود اعتمادی ظاہر ہوتا ہے۔

(۳) اگر دستخط میں اصلی نام کے نیچے خط کھینچدیا گیا ہے تو اس سے خود پرستی و خودستائی اور انانیت ظاہر ہوتی ہے۔

(۴) اگر اپنے عرفی یا خاندانی نام کے نیچے خط ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر کو اپنے حسب نسب پر فخر ہے۔

(۵) اگر پورے دستخط کے نیچے خط کشیدہ ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر لوگوں پر اپنی اہمیت ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ اس کی خواہش یہ ہے کہ وہ دنیا میں کچھ ہو کر رہے اور کوئی کارنامہ انجام دے۔

(۶) اگر دستخط کے نیچے لہردار خط ہے تو اس سے لکھنے والے کی خوش طبعی اور شوق نمائش کا اظہار ہوتا ہے۔

(۷) دستخط کے آگے نقطہ (اسٹاپ) لگا دینا دور اندیشی پر دال ہے۔

(۸) دستخط کے بعد نقطہ اور خط اس امر کا اظہار کرتے ہیں کہ صاحب تحریر ہمیشہ پہلوئے دفاع اختیار کرتا ہے۔ اسے کسی شخص کا اعتبار نہیں ہے۔

(۹) اگر دستخط کے آخری حرف کا لاحقہ کھینچکر طویل ہو جائے اور مائل بہ دست راست ہو تو یہ صاحب تحریر کی جارحانہ کیفیت کی علامت ہے۔

(۱۰) اگر دستخط کا آخری حرف ایک عقبی کشش میں ختم ہوتا ہے تو اس سے صاحب تحریر کی خود غرضی اور بے اعتمادی کا اظہار ہوتا ہے۔ ایسا شخص ہمیشہ فتنہ و فساد برپا کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔

(۱۱) اگر دستخط کا آخری حرف دستخط کے اوپر آجائے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ صاحب تحریر اپنی تمام قوت تخیل اسی فکر میں صرف کرتا ہے کہ ہر موقعہ سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس کی خود غرضی کا رنگ بالکل باقاعدہ اور منظم ہوتا ہے۔

(۱۲) اگر دستخط کا آخری حرف نیچے کی طرف پیچ کی شکل میں ختم ہو تو اس سے صاحب تحریر کی ذکاوت اور ہوشیاری ظاہر ہوتی ہے۔ ایسا شخص معاملات کا انتظام خوب کرتا ہے۔

(۱۳) اگر دستخط کا آخری حرف اس طرح ختم ہو کہ اس کا آخری سرا ایک طویل عقبی خط مائل دست چپ بنجائے اور پھر وہیں سے وہ خط جانب راست گھوم جائے تو اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ صاحب تحریر ایسا شخص نہیں ہے جس سے مذاق کیا جائے۔

(۱۴) اگر دستخط میں کوئی روانی نہ ہو یا خط زیریں یا آگے کی طرف کشش نہ ہو تو اگر وہ دستخط قسم اعلےٰ میں داخل ہیں تو اس سے سادگی اور غرور ظاہر ہوتا ہے اگر تحریر قسم ادنےٰ کی ہو تو اہمال و لغویت پر دلالت کرتی ہے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ تحریر اور دستخط میں اس قدر فرق ہوتا ہے کہ یہ تمیز نہیں کی جاسکتی کہ دونوں چیزیں شخص واحد کی ہیں۔ ایسی صورت میں صرف دستخط کا مطالعہ کرنا زیادہ مفید ہوگا کیونکہ صاحب تحریر کی شخصیت زیادہ تر دستخط ہی میں نظر آتی ہے۔ ایک وکیل کی مثال لیجئے، جس کی تحریر عمودی ہے، زاویہ دار ہے۔ یا مسلسل اور یکساں ہے۔ لیکن برعکس اس کے دستخط کی وضع یہ ہے کہ وہ داہنی طرف کو مائل ہو جاتے ہیں۔ جس سے اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ صاحب تحریر کی قوت شعوری بہت بڑھی ہوئی ہے۔ محبت شعار ہے نیز آنکہ اس کا دل اسکے دماغ کے ماتحت ہے۔ اس کی توجیہ بہت آسان ہے۔ تحریر سے تو وکیل صاحب کی وہ شخصیت ظاہر ہوتی ہے جو انھوں نے ایکٹروں کی طرح دنیا کے اسٹیج پر اختیار کر رکھی ہے۔ لیکن دستخط انکی اس شخصیت کے مظہر ہیں، جس سے ان کی بیوی، اہل خاندان یا دوست واقف ہیں۔

خصوصیات مستخرجہ

علامت خصوصی و عمومی اور ان کے نسبتی تعلقات درج کرنیکے بعد اب ہم مقصد اصلی یعنی اطوار خوانی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ لیکن اس کام کے لئے تجربہ اور کسی قدر مناسبت فطری کی ضرورت ہے۔ نیز آنکہ یہ کام اسقدر زیادہ آسان نہیں ہے جس قدر کہ بادی النظر میں دکھائی دیتا ہے۔

ہم یہ فرض کئے لیتے ہیں کہ طالب علم فراست التحریر نے اُن نظریات پر عبور حاصل کر لیا ہے جو ہم اس سے قبل درج کر چکے ہیں۔ اسکے بعد کوئی تحریر لیجئے اور اسکے محاسن و معائب پر نظر ڈالئے۔ پھر موٹی موٹی باتوں پر غور کیجئے۔ مثلاً نیک طبعی، خواہش ترقی، کاروباری حوصلہ کا فقدان، خود غرضی وغیرہ۔

واضح ہو کہ علامات عمومی و خصوصی کی فہرست فراست التحریر کے لئے اسی قدر ضروری ہے جیسے زباندانی کے لئے لغت کی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی واضح ہو کہ ممکن ہے کسی شخص کے قبضہ میں بہترین لغت موجود ہو اور وہ پھر بھی زباندان نہ ہو سکے۔

یہ بھی یاد رہے کہ اطوار خوانی کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کسی شخص کے محاسن و معائب کی فہرست تیار کر لی جائے۔ کیونکہ فطرت انسانی ہرگز خود کو اس غرض سے پیش نہیں کرتی کہ اس کا اس طرح سیاہ و سفید میں تجزیہ کیا جائے۔ عالم انسانی کی موجودہ ابتدائی منزل ارتقاء میں معمولی انسان کا کام نہیں ہے کہ وہ جامع و مانع طور پر ہمیشہ کے لئے اس قسم کا کوئی حکم لگا سکے کہ بھیڑ کون ہے اور بکری کون۔

کسی شخص کی صحیح کردار خوانی کے معنی یہ ہیں کہ اس کے اطوار کے متعلق مدلل طور پر نتائج اخذ کئے جائیں یعنی مختصر پیمانہ پر کسی خاص فرد کی شخصیت تعمیر کیجائے۔

ہر علامت کے لئے اس کا مناسب مقام قائم کیا گیا ہے۔ اور حسب قانون استقراء خصوصیات مستخرجہ

مرتب کی جاتی ہیں۔ اور معتدل طور پر نہایت وضاحت وصفائی کے ساتھ پیش کردیجاتی ہیں۔

اگر ان قواعد وضوابط کا خیال نہ رکھا گیا تو کردار خوانی کی حالت بھی ویسی ہی پریشان اور عجیب وغریب ہوگی جیسے اس تصویر کی جس میں مصور نے کانوں کی جگہ آنکھیں اور ٹھوڑی کے مقام پر ناک بنادی ہو۔ ایسی تصویر میں اگرچہ ہر چیز کی ہیئت صحیح ہے لیکن بہ حیثیت مجموعی تصویر قطعی غلط ہے۔ ہمارے خیال میں اس فن کے طالب کے لئے یہ مثال بہت کافی ہوگی۔ اور وہ بخوبی سمجھ جائے گا کہ کردار خوانی کے لئے صحیح سلسلۂ نظر قائم کرنا کس قدر اہم بات ہے۔ اسی سلسلہ میں یہ بات بھی واضح رہے کہ علامات جامع ومانع حکم نہیں رکھتے بلکہ اکثریت کا حکم رکھتے ہیں۔ مثلاً ایک صاف اور واضح تحریر ایک طرف تو اس امر کا ثبوت ہے کہ لکھنے والا طبقہ اعلےٰ سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسری طرف یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایسی تحریر کسی معمولی محرر یا ایسے ہی کسی اور بے حقیقت آدمی کی ہو۔ اس بات کا حکم لگانا کہ تحریر قسم اعلےٰ کی ہے یا اوسط کی یا ادنےٰ کی۔ حروف کی شکل پر منحصر ہے۔ اسی طرح الفاظ کے مابین وسیع فصل کے یہ معنی ہیں کہ لکھنے والا فیاض طبیعت کا آدمی ہے۔ بشرطیکہ اس کے ساتھ دیگر علامات بھی موافقت کریں۔ اگر دیگر مناسب علامتیں موجود نہیں ہیں یا دیگر علامات خلاف قسم کی ہیں تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر اس قسم کا آدمی ہے جس کا ذہن سستی کے ساتھ کام کرتا ہے مگر وہ محنت سے کام لیتا ہے۔

الغرض دو یا زیادہ علامتوں کا ملا کر مطالعہ کرنے سے کوئی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے۔ یہی علم فراست التحریر کا نہایت دلچسپ ہے۔ لیکن طالب کو لازم ہے کہ اس میدان میں بہت احتیاط کے ساتھ قدم اُٹھائے۔ عطائی آدمیوں کو بعض مشکلات پیش آتی ہیں۔ جن کی وضاحت ہم دو چار مثالوں سے کرتے ہیں۔ سانپ کی طرح لہریا لکھنے والی تحریر کی نسبت یہ حکم لگایا جاتا ہے کہ لکھنے والا بہت بڑا مدبر اور ڈپلومیٹ ہے۔ اگر تحریر قسم اعلےٰ کی ہے تو واقعی یہ حکم صحیح ہے۔ اگر تحریر اوسط درجہ کی ہے تو یہ حکم لگایا جائے گا کہ صاحب تحریر کی ذہنیت میں لوچ ہے۔ جس کا اظہار بسا اوقات اس صورت میں ہوتا ہے کہ وہ بہانے بہت بناتا ہے اور اس طرح خود کو ایک ناگوار صورت حال سے نکال لیجاتا ہے۔ اگر تحریر ادنےٰ قسم کی ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لکھنے والے کو جھوٹ بولنے کی عادت ہے۔

ایسی ہی ایک دوسری مثال ان حروف سے پیدا ہوتی ہے جو اختتام کے لفظ کے قریب پہونچکر قد وقامت میں بڑھ جاتے ہیں۔ اس علامت سے لکھنے والے کی سریع الاعتقادی اور فطری سادگی کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ یہی بات بعض ایسے ممتاز سائنسدانوں میں پائی جاتی ہے۔ جو اپنے نتائج کی صحت اور استقرا صحیح کے لئے مشہور ہیں اس لئے ایسی علامت پر کوئی جامع ومانع حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ جہاں کسی کے طرز تحریر سے علویت اور تربیت ذہنی کا اظہار ہوتا ہو تو لفظ کے آخری حروف کا ابتدائی حروف سے بڑا ہونا اس امر پر دلالت کرسکتا ہے کہ صاحب تحریر صاف گو اور کشادہ دل آدمی ہے۔ تیسری مثال "حروف خنجری" سے پیدا ہوتی۔ یعنی وہ حروف جن کے آخری حصے خنجر

کی نوک کے مانند ختم ہوں۔ ایسے حروف نفاست طبع پر دلالت کرتے ہیں۔ لیکن اگر تحریر توسط درجہ کی ہے تو اسی علامت کے معنی یہ ہیں کہ لکھنے والا باتیں چھپاتا ہے اور اسے پر اسرار طور پر کام کرنے کا شوق ہے۔ اس قسم کے لوگ نوکروں یا بچوں کے سامنے غیر زبانوں میں باتیں کیا کرتے ہیں تاکہ بات راز میں رہے۔ لیکن اگر یہی تحریر ادنےٰ درجہ کی ہے تو "تخریبی حروف" سے دغا و فریب ظاہر ہوتا ہے۔ اس قسم کا آدمی اکثر دہوکے باز ہوتا ہے۔

جس شخص میں علم فراست التحریر سمجھنے کی اہلیت ہے اور وہ شوق بھی رکھتا ہے اسکی رہنمائی کیلئے ہم چند مثالیں پیش کرینگے جن میں بعض علامات کو ملا کر نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔ یہی علم فراست التحریر کا وہ اہم حصہ ہے جسے بہت زیادہ ترقی دی جاسکتی ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم مثالیں پیش کریں یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذہنی و اخلاقی حیثیت سے صاحب تحریر کا پورا مطالعہ کر لیا جائے۔ اس مقصد کے لئے ہم بلند اور ادنیٰ قسم کی تحریر کو تین اقسام میں تقسیم کرتے ہیں۔

بلند تحریر

قسم اوّل اس قسم میں اولوالعزم لوگ شامل ہیں جو ملہم بالغیب ہوتے ہیں یا جنھیں فطرت نے مادۂ ایجاد ودیعت فرمایا ہے۔ جس طرح برقی طاقت کی تحصیل کرنے سے ہم قاصر ہیں۔ اسی طرح ہم ان برگزیدہ لوگوں کی قوت کو بھی تحلیل نہیں کر سکتے۔ جس طرح برقی قوت کے مظاہر مرئی کے سوائے ہمیں اور کچھ معلوم نہیں کہ وہ کیا چیز ہے۔ اسی طرح ان بزرگ لوگوں کی پُر اسرار ذہنی و روحانی قوتیں بھی ہمارے خیال کی رسائی سے باہر ہیں۔

قسم دوم اس قسم میں وہ لوگ داخل ہیں جن میں کسی بات کے سمجھنے اور اس سے فائدہ اُٹھانے کا مادہ ہے۔ ایسے لوگ دوسروں کی ایجاد و اختراع کو ترقی دیکر چار چاند لگا دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے کام قابل تعریف اور فن مکانکی کا مکمل نمونہ ہوتے ہیں۔ ان کا کام اہل نظر سے اپیل کرتا ہے۔ مگر یہ اپیل دل سے نہیں بلکہ دماغ سے ہوتی ہے۔ ایسا شخص ہزار کوشش کرے مگر وہ ہوشیار نہیں ہوتا۔

قسم سوم اس قسم میں اہل فہم و ذکا شامل ہیں۔ یہ لوگ ہوشیار ہوتے ہیں۔ وہ دوسروں کے کاموں کو پسند کرتے ہیں اور مکالمہ کرکے نتائج اخذ کرتے ہیں۔ ایسے لوگ موضوع کو بآسانی سمجھ جاتے ہیں۔ وہ تحصیل علم تو بآسانی کر لیتے ہیں لیکن ان میں ترقی دینے کا مادہ نہیں ہوتا۔ مثلاً اس زمانہ کا ہوشیار مکانیک بمقابلہ جیمس واٹ (موجد اسٹیم انجن) یا آئزک نیوٹن سے زیادہ حقائق علمیہ جانتا ہے۔ لیکن اس علم کے باعث سے ان دونوں بزرگوں پر ترجیح دینا تو درکنار ان کی برابری کا بھی درجہ نہیں دے سکتے۔

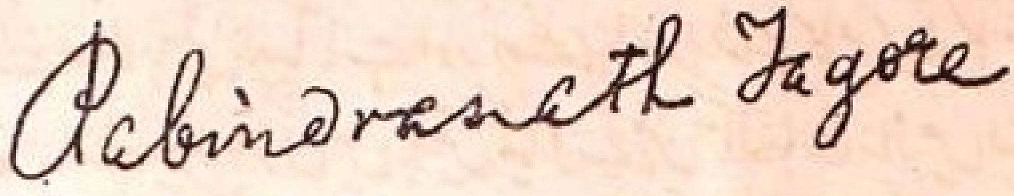

"یہ نمونہ ایسی قوت تخئیل ظاہر کرتا ہے جو شعر و سخن یا اسی قسم کی خیال آرائیوں میں زیادہ کمال دکھاتی ہے۔ اگر صاحب دستخط ایک شاعر ہونیکے بجائے کوئی مصور ہوتا تو اس کے کام غیر معمولی اور عجیب ہوتے۔

ادنے التحریر

قسم اول اس میں وہ لوگ داخل ہیں جو عموماً لکیر کے فقیر ہوتے ہیں۔ رسم و رواج کی پابندی کے علاوہ کوئی قوت اجتہاد نہیں رکھتے۔ ان میں عقل و فہم اور ہنر مندی کبھی ہوتی ہے۔ قدرت نے ان کے لئے معمولی زندگی مقدر کی ہے۔ ایسے لوگوں کو کسی بڑے عہدہ پر ممتاز کر دیا جاتا ہے تو وہ اپنے فرائض انجام تو دے لیتے ہیں۔ مگر کوئی خصوصیت پیدا نہیں کرتے۔ ان کے محاسن و معائب بھی اوسط درجہ کے ہوتے ہیں۔ الغرض شروع سے آخر تک ان کی شخصیت اوسط درجہ کی ہے۔ عموماً یہ لوگ اچھے خاصے قابل عزت و تکریم ہوتے ہیں۔ وہ انتہائی بلندی و پستی سے ناواقف ہیں۔ ایسے لوگ معاشرت کے ہر مقام پر پائے جاتے ہیں۔ وہ بعض مقررہ خیالات کے مالک ہوتے ہیں جن میں عمر بھر تغیر واقع نہیں ہوتا۔

قسم دوم۔ اس قسم میں لوگوں کو داخل سمجھنا چاہیئے۔ جن کی شخصیت لاشئے محض ہے۔ یعنی ان میں کوئی بھی خصوصیت نہیں ہوتی۔ ان لوگوں کی طبیعت بیحد بے رنگ ہوتی ہے۔

قسم سوم۔ اس قسم میں وہ لوگ داخل ہیں جو بہ لحاظ عقل و فہم ادنے درجہ کے ہوتے ہیں۔

اس موقعہ پر اعلے و ادنے اقسام تحریر کے درمیان تمیز کرنے کے لئے بعض علامات خصوصی کا درج کرنا بھی غالباً بے محل نہ ہوگا۔

اعلے التحریر کے علامات عمومی

(۱) اگر تحریر فطری اور اضطراری طور پر لکھی گئی ہے تو وہ سادہ ہے۔

(۲) حرفوں کا میلان کسقدر جانب راست ہے، اور حروف کے لاحقہ اور قلم کی جنبش بھی بحد اعتدال ہو تو تحریر معتدل کہلاتی ہے۔

(۳) حروف صاف اور واضح ہوں اور کہیں بے ڈھنگی کشش یا نمائش نہ ہو تو اسے تحریر امتیازی کہتی ہیں اسمیں ٹائپ جیسی حروف بھی داخل ہیں۔

(۴) تیز تحریر جسکی سطروں کا میلان جانب بلندی - زیر و بالا کی کششیں طبعی ہوں - حروف (t) کے خطوط تقاطع اور حروف (i) کے نقطے آگے بڑھے ہوئے ہوں - تو ایسی تحریر سے قوت عمل ظاہر ہوتی ہے -

(۵) قلم کی جنبشیں بڑھی ہوں - حروف کے قد و قامت میں فرق ہو - حروف (t) کے خطوط تقاطع بڑے ہوں تو اس سے قوت تخیل کا اظہار ہوتا ہے -

(۶) اگر علامات وقف صحیح ہیں، حروف کے لاحقہ سنبھال کر لکھے گئے ہیں، قلم کی جنبشیں بھی حد اعتدال کے اندر ہیں - تحریر میں پختگی پائی جاتی ہے - اور حروف (t) کے خطوط تقاطع ہمواری میں نمایاں ہیں تو اس سے قوت فکر ظاہر ہوتی ہے -

(۷) تحریر صاف پڑھی جاتی ہو - حروف صاف اور واضح ہوں، نوک پلک درست ہو، الفاظ اور سطور کے درمیان فاصلہ کافی ہو تو علامت صفائی و وضاحت ہے -

(۸) اگر سطور میں تموج ہے اور حروف کے قد و قامت اور ڈھلاؤ بھی مختلف ہیں تو اس سے ذہنی لچک ظاہر ہوتی ہے -

(۹) اگر تحریر ہموار ہے سطریں سیدھی ہیں، اور ہر حرف کرسی پر ٹھیک اور بلندی میں برابر ہے تو اس سے صحیح نویسی کا اظہار ہوتا ہے -

(۱۰) اگر حروف (g) اور (y) وغیرہ کی کششیں لمبی ہیں اور ان میں جانب راست انحناء پیدا ہو جاتا ہے - حروف کلاں بقیہ حروف لفظ متعلقہ سے ملتے ہیں - حرف (i) بغیر پھندے کے قلا کوہ کی وضع کا بنایا جاتا ہے - حروف (m) اور (n) ایسی وضع کے لکھے جاتے ہیں جیسے (u) اور سطور کا ڈھلاؤ داہنی طرف کو ہے تو ایسی تحریر ایثار نفس ظاہر کرتی ہے -

(۱۱) اگر تحریر کا ڈھلاؤ داہنی طرف کو ہے - حروف کا ڈھلاؤ اور قد و قامت مختلف ہے - الفاظ توڑ کر دو دو تین تین حرفوں کے مجموعہ میں لکھے جاتے ہیں - علحدہ علحدہ حروف برابر برابر لکھ کر لفظ بنایا جاتا ہے - لفظ کے آخری حرف کا لاحقہ جانب راست بڑھ جاتا ہے تو ایسی تحریر سے قوت شعوری ظاہر ہوتی ہے -

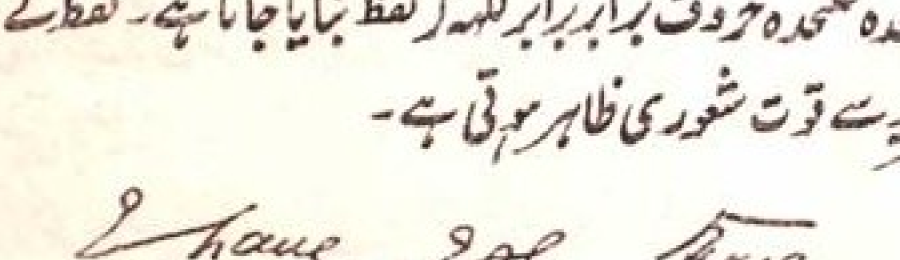

اعلےٰ تحریر

(۱۲) اگر خط میں پختگی ہے، حروف خفیف طور پر زاویہ دار ہیں - حروف (t) کے خطوط تقاطع اچھے اور باقاعدہ ہیں - اور سطور کا رخ مستقل طور پر یکساں ہے تو ایسی تحریر سے طاقت اور قوت عمل کا اظہار ہوتا ہے -

ادنیٰ التحریر کی علامات عمومی

(۱۳) اگر تحریر بھدی ہے، کششیں اور حروف کے دائرے مصنوعی پیچ و خم دکھاتے ہیں تو ایسی تحریر بد مذاقی پر دلالت کرتی ہے۔

(۱۴) تحریر موٹی ہے، داہنی طرف کو ضرورت سے زیادہ میلان ہے۔ جنبش قلم سے بہت زیادہ کام لیا گیا ہے۔ جگہ جگہ الفاظ کے نیچے خط کھینچدیے گئے ہیں۔ نامناسب جوش، اور بے ڈھنگی سرگرمی دکھائی دیتی ہے تو اس سے لکھنے والے کی نفس پرستی ظاہر ہوتی ہے۔

(۱۵) اگر تحریر میں یکے بعد دیگرے خطوط منحنی ہوں، تحریر بتدریج مائل بہ پستی ہوتی ہو، حروف (ٹ) پر خطوط تقاطع اور حروف (خ) پر نقطے نہ ہوں تو یہ کاہلی اور تن آسانی علامت ہے۔

(۱۶) اگر تحریر پریشان ہے، حروف کی زیر و بالا کشش اس قدر طویل ہے کہ سطریں اوپر نیچے کے لفظوں میں گھس جاتی ہیں، جنبش قلم غیر طبعی ہے۔ حرفوں کے پھندے اور لاحقہ بڑے اور پھیلے ہوئے ہیں، چھوٹے حروف اس قدر بڑے بنائے گئے ہوں جیسے بڑے حروف ہوتے ہیں، الغرض تحریر سے عام بے پروائی کا اظہار ہوتا ہے تو یہ علامت ہے ایسی تخئیل کی جو قابو سے باہر ہو۔

(۱۷) اگر تحریر صاف نہ پڑھی جاتی ہو، حروف کی ترتیب سطح قرطاس پر بے ڈھنگی ہو اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ تحریر بحالت اشتعال لکھی گئی ہے تو یہ پریشانی ذہن کی علامت ہے۔

(۱۸) سخت اور زاویہ دار تحریر جس میں حرف (ٹ) کے حصہ زیریں اس طرح مڑ تڑ جائے جس سے اُس کی صورت کانٹے دار بنجائے تو اس صاحب تحریر کی ضدی طبیعت کا اظہار ہوتا ہے۔

(۱۹) اگر سطریں ناہموار ہوں، الفاظ جانب عقب بائیں ہاتھ کی طرف مائل ہوتے ہوں۔ الفاظ کے حروف آخر کا لاحقہ تاگے کی طرح باریک ہو کر غائب ہو جائے، علاوہ ازیں جگہ جگہ بھدی اور ناقابل فہم عبارت ہو تو ایسی تحریر سے لکھنے والے کی غلط نویسی کا اظہار ہوتا ہے اور اس شخص کا مزاج صحت پسند نہیں ہے۔

(۲۰) اگر تحریر میں حروف کی کشش زیریں جانب عقب گھوم کر بائیں طرف مائل ہوتی ہو، حروف کلاں کی ابتداد تاگے جیسے باریک خط کے پھندے سے ہوتی ہو اگر تحریر "کھچ پچ" ہو۔ یا حروف بہت زیادہ زاویہ دار ہوں، یا دستخط کا حرف آخر لکیر کی مانند ختم ہو کر نیچے کی طرف جانب چپ کھنچ جاتا ہو، تو ایسی تحریر سے خود غرضی کا اظہار ہوتا ہے۔

(۲۱) اگر تحریر عمودی ہو، روانی نہ ہو، حروف آخریں منقطع ہو جاتے ہوں تو ایسی تحریر سے سرد مہری اور بے مروتی کا اظہار ہوتا ہے۔

(۲۲) اگر تحریر کمزور اور ناہموار ہو۔ حروف (ت) جگہ جگہ بغیر خط تقاطع کے چھوڑ دیا جائے تو ایسی تحریر سے عدم استقلال ظاہر ہوتا ہے۔

(۲۳) اگر تحریر نہایت کمزور ہو، خطوط باریک ہوں، حرف (ت) کا خط تقاطع اکثر غائب رہتا ہو تو ایسی تحریر سے کمزوری کا اظہار ہوتا ہے۔

اب ہم اس طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ مقررہ علامات کے اجتماع سے کیا کیا نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ یہی وہ میدان ہے جہاں ماہر فن فراست التحریر اپنی عقل و فہم اور اپنی قوت مشاہدہ و تخئیل سے بہت کام لے سکتا ہے مثلاً حوصلہ، قوت عمل اور خواہش ترقی تینوں باتیں اگر ایک جگہ جمع ہو جائیں تو ان کا نتیجہ زندگی میں کامیاب ہونے کا عزم بالجزم ہوتا ہے۔ اگر کسی خاص طور پر ہموار تحریر میں شعور و تخئیل کا اجتماع ہو جائے تو نتیجہ الہام ہوتا ہے۔ فراست و تخئیل کا اجتماع کسی وضع کی قدردانی پر دال ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جس شخص میں یہ باتیں ہوں وہ ہمیشہ عمدہ اور خوبصورت چیزوں کی قدردانی کرے۔ مثلاً کسی بد مذاق اور عیاش آدمی میں یہ دونوں باتیں پائی جائیں تو کسی کریہ اور ناخوشگوار چیز کا مداح ہوگا۔ اگر ایسے شخص سے مشاہیر پرستی کے لئے کہا جائے تو غالباً وہ اپنا ہیرو کسی "بانکے" کو یا "انعامی مقابلہ کرنیوالے جنگجو" کو پسند کرے گا۔ اگر یہی باتیں کسی خوش مذاق اور شائستہ فطرت شخص میں جمع ہو جائیں تو وہ شعر و سخن، جمالیات اور فنون لطیفہ کا دلدادہ ہوگا۔

فراست کا ثبوت نہ صرف ڈھلوان تحریر سے ملتا ہے بلکہ مختلف قد و قامت اور ڈھلاؤ کے حروف بھی اسی صفت کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر علامات میں سے کوئی علامت خود غرضی کی ایک یا دو علامتوں کے ساتھ جمع ہو جائے تو نتیجہ مستخرجہ رشک و حسد ہوگا۔ ایک انانیت پسند اور خود پرست شخص کی خواہش ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ سب آدمیوں کی توجہ اسی کی طرف مائل ہو۔ اگر کسی کی توجہ کسی دوسرے شخص کی طرف منعطف ہو جاتی ہے تو وہ جلتا ہے، یہی باعث ہے کہ ایسا شخص حاسد ہوتا ہے اگر دو علامتیں مظہر حسد کے ساتھ کوئی علامت مظہر تخئیل جمع ہو جائے تو نتیجہ نفسانیت ہوتا ہے۔ اگر تحریر اعلامیں کوئی علامت متعلقہ غیظ و غضب یا بغض و کینہ یا عدم ضبط نفس بھی شامل ہو جائے تو نتیجہ جذبۂ انتقام ہوتا ہے۔

اگر فراست، عقل و فہم، اور مہر و مروت کا اجتماع ہو تو نتیجہ محبت و شفقت ہوتا ہے۔ اور اگر انھیں خصوصیات میں وہ علامتیں بھی شامل ہو جائیں جو علوم باطنی یا عزت و حرمت اسکنۂ مقدسہ سے تعلق رکھتی ہیں تو وہ شخص ایسے مادہ کا بنا ہوا ہے جس سے مظلومین و شہدا بنے ہوئے تھے۔

ذیل میں چند اجتماعات اور انکے نتائج مستخرجہ درج کئے جاتے ہیں:-

قدرے فراست و خود غرضی — سرد مہری۔ بے مروتی

غرور و نخوت - قدرے فراست	نفرت کرنیوالی طبیعت
دنائیت - نمایاں فراست	ایسا شخص یہ سمجھنے لگتا ہے کہ مجھ پر چوٹ کی گئی - حالانکہ یہ بات نہیں ہوتی
تخئیل - جانداری	جوش
بے پروائی - تخئیل	خفیف الحرکاتی
حوصلہ - جانداری - جودت -	کاروباری حوصلہ
تخئیل - خودغرضی - دروغگوئی	دہوکا دیکر ٹھگ لینا
تخئیل - سریع الاعتقادی	توہم پرستی
تخئیل - کاروباری حوصلہ - مصلحت اندیشی	دوراندیشی
کمزور طبیعت - ذہنی لچک	مکروفریب
قوت جاذبہ (aasimilation) سرگرمی -	ذہنی مشاغل کا شوق
قوت جاذبہ - سرگرمی - دنائت	عامیانہ مشاغل کا شوق
تخئیل - استقامت - استقلال	جرأت و دلیری
شوق نمائش - ذہنیت نقاد	مسخراپن
شوق نمائش - احساس جمالیات - زندہ دلی	حاضر جوابی

نتائج مستخرجہ قائم کرتے ہوئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ صاحب تحریر کی فراست، علویت یا دنائت کے مدارج کا خیال رکھا جائے - اگر عقل و فہم بدرجہ نمایاں موجود نہیں ہے تو مناسب ہوگا کہ شخص زیر بحث کو وہ خصوصیات بدرجۂ اوسط دی جائیں جو اس میں ظاہر ہوتی ہیں - ایسی صورت میں اگر اسکی تحریر سانپ کی طرح سے لہردار ہے تو اس کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ڈپلومیٹ ہے - ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ وہ صاحب سلیقہ ہو - الغرض ایسے شخص کی نسبت یہ حکم لگانا زیادہ اچھا ہوگا کہ اسکی ذہنیت لچکدار ہے -

یہ بھی ممکن ہے کہ کسی ادنٰی قسم کی تحریر میں صفائی ہو یا نہ ہو - یہ بات اعلےٰ تحریر کے لئے مخصوص ہے تحریر کی پریشانی کا تعلق ذہانت سے کبھی نہیں ہوتا -

تحریر و تقدیر

اگرچہ مادہ پرستان فرنگ کا قول یہ ہے کہ "انسان اپنا کاتب تقدیر آپ ہے" - لیکن زندگی کے تلخ و شیریں تجربات سے اس قول کا ثبوت بہم نہیں پہونچتا - جس قدر زیادہ انسان جیتا ہے اسی قدر زیادہ اسے اسرار حیات کے مخفی ترین گوشوں تک رسائی حاصل ہوتی جاتی ہے - الغرض جسقدر زیادہ ادراک اسے حیات بشری کا ہوتا جاتا ہے اسی قدر زیادہ احساس اسے اس امر کا ہوتا جاتا ہے کہ کوئی مخفی اور پراسرار

ہاتھ ایسا ضرور ہے جو دنیا میں ہماری رہنمائی کرتا ہے اور اسی ہاتھ میں تشکیل تدبیر ہے انسان ہزاروں قسم کے منصوبے باندھتا ہے اور ہزاروں قسم کے ارادے کرتا ہے۔ لیکن ایک پراسرار ہاتھ انھیں مٹا دیتا ہے اور تمام منصوبے خاک میں ملجاتے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ دنیاوی کاروبار میں اسباب و علل کا بہت بڑا حصہ ہے۔ لیکن ہر بات اسباب و علل کے ماتحت معلوم نہیں ہوتی۔ یہ بھی سچ ہے کہ اگر ہم کسی خاص سمت کا سفر کرنے پر مجبور ہوں، اثناء راہ میں بعض خاص آدمیوں سے دوچار ہونا پڑے اور قسمت کے بہت سے نشیب و فراز دیکھنا پڑیں۔ لیکن جو نقصان یا منافع اس سفر میں ہم کو ہوگا اسکی مقدار کا انحصار زیادہ تر خود ہماری ذات پر ہے۔ الغرض اس طرح سے کسی شخص کے کردار واطوار کا حال معلوم کرکے اسکے مستقبل پر حکم لگایا جاسکتا ہے۔ مثلاً جو ناکامی کسی کمزور شخص کی کمر توڑ دے وہی اکثر ایک طاقتور شخص کے لئے ذریعہ نجات بنجاتی ہے۔ یعنی موخر الذکر شخص اس ناکامی کے بعد زیادہ طاقتور عزم صمیم لیکر اٹھتا ہے۔ اس کی قوت عمل میں جوش آجاتا ہے اور شاہد مقصود اس کے سامنے آغوش طلب ہوکر حاضر ہوجاتا ہے۔ ایمرسن نے اسی وجہ سے یہ کہا تھا کہ "جس شخص نے کوئی غلطی نہیں کی اس نے کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا"

دنیا ایک معمورہ امکانات ہے۔ اب یہ کام انسان کا ہے کہ موقعہ ڈھونڈے اور ہاتھ سے نہ جانے دے۔ لیکن یہ بات بعض آدمیوں کے احاطۂ امکان سے باہر ہے۔ اور بعض ایسا کرتے نہیں۔ جو معدودے چند اس اصول پر عمل کرتے ہیں وہی عروس مقصد سے ہمکنار ہوجاتے ہیں۔ زندگی کی ناکامیوں سے بچتے رہنا۔ ایک اصول دانشمندانہ ہے۔ لیکن نفع بخش نہیں۔ جو لوگ اس اصول پر عمل کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ دوسروں کی مدد کے طالب ہوتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اپنی مدد آپ نہ کرسکیں ان کی مدد کوئی دوسرا شخص کیونکر کرسکتا ہے۔ ان لوگوں کی امداد واعانت کی حد بس یہاں تک ہوتی ہے گویا انھوں نے کسی شخص کی ٹانگ گھسیٹ کر اسے غار میں گرنے سے روکدیا۔

تحریر و تقدیر کا معاملہ دوسرا ہے۔ یہاں یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہیں کہ جتنا اثر تحریر کا انسان کی تقدیر یا مستقبل پر پڑتا ہے اتنا اثر تقدیر کا انسان کی تحریر پر نہیں پڑتا۔ مثلاً ایک ایسا شخص ہے جس کی تحریر سے قوت عمل اور جودت طبع ظاہر ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ بری قسمت اسے کسی سخت مصیبت میں مبتلا کردے لیکن اسکی قوت عمل اور تدبیر اسے فوراً پنجہ بلا سے نجات دیگی۔ اور جب وہ اس آگ سے نکلیگا تو کندن بنکر نکلیگا۔ یعنی اسکے تجربات میں مزید اضافہ ہوجائیگا۔

Hoping to see you shortly
Look after yourself. Warm
nothing like India. Much
Alex

"یہ نمونہ گول یا مدور تحریر کا ہے۔ جس سے صاحب تحریر کی خوش اخلاقی اور ملنساری اور فطری طور پر پاکیزہ طبعی ظاہر ہوتی ہے۔ دستخط کے نیچے جو موج دار خط ہے اس سے لکھنے والے کا انبساط ظاہر ہوتا ہے۔"

واضح ہو کہ کوئی ماہر فراست التحریر رمال یا پیشین گوئی کرنیوالا نہیں ہوتا۔ جس طرح ایک طبیب حاذق کسی مرض کی تشخیص کر کے یہ پیشین گوئی کر سکتا ہے کہ عارضہ مذکور کی آئندہ حالت کیا ہوگی اسی طرح ایک ماہر فراست التحریر بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ کسی شخص کی تحریر میں جو خصوصیات پائی جاتی ہیں وہ صاحب تحریر کو کہاں لے جائیں گی۔ اسی طرح وہ بھی یہ بتا سکتا ہے کہ صاحب تحریر کی قسمت میں کس قدر مسرت اور کس قدر مصیبت ہے نیز یہ کہ مستقبل میں اسے کامیابی سے دوچار ہونا پڑے گا یا ناکامی سے۔

عیش و مسرت کی کمی یا زیادتی کا انحصار زیادہ تر انسان کے مزاج اور خصلت پر ہے۔ بعض آدمیوں کے نزدیک جسقدر ضروری سانس لینا ہے اسی قدر وہ زندگی کے روشن پہلو پر نظر رکھنا ضروری سمجھتے ہیں۔ مصیبت دادبار کی کتنی ہی سیاہ اور گھنگھور گھٹائیں چھائی رہیں مگر وہ ان کے اندر سے بھی مطلع امید پر روشنی دیکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی تحریر میں امید انبساط، مہر و مروت اور صبر و قناعت پائے جاتے ہیں۔

حوصلہ عیش و مسرت کا دشمن ہوتا ہے۔ اگرچہ ہمت و حوصلہ بھی وہ چیز ہے جسکا انسان کی ترقی میں بہت بڑا حصہ ہے۔ اور دنیا جو اپنی موجودہ مادی ترقی کی حد تک پہونچ گئی ہے اس میں قوت محرکہ حوصلہ و ہمت ہی ہے۔ لیکن اکثر دیکھا گیا کہ یہی چیز انفرادی عیش و مسرت کے لئے مہلک چیز ثابت ہوتی ہے۔ یہ چیز عظیم الشان ذاتی قربانیوں کا تقاضا کرتی ہے جن میں اطمینان قلب بھی شامل ہے۔ جس شخص کا دل حوصلہ و ہمت سے معمور ہوتا ہے اسکے سینہ میں ایک آگ روشن ہوتی ہے جو نہ چین لینے دیتی ہے نہ آرام۔ اس کا سفر حیات مراحل و منازل مختلفہ کا ایک طویل سلسلہ ہوتا ہے۔ جب وہ منزل مقصود تک پہونچتا ہے اور حسب دلخواہ معراج ترقی حاصل کر لیتا ہے تو بھی وہ یہی سمجھتا ہے کہ اس کی موجودہ ترقی بھی سفر حیات کی ایک منزل ہے جہاں کچھ دیر آرام لیکر آگے چلنا پڑے گا۔ گویا موجودہ کامیابی اس کے سفر حیات کا ایک یادگاری نشان ہے۔ جو محض اس امر کا مظہر ہے کہ کوئی جانیوالا یہاں سے بھی گذرا ہے۔

بعض حضرات یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ کیا کسی شخص کی تحریر سے اسکی تقدیر یا مستقبل پر حکم لگایا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب "ہاں" اور "نہیں" دونوں ہیں۔ علم فراست التحریر کے ذریعہ سے جو کچھ اندازہ کسی شخص کے کردار و اطوار کا کیا جا سکتا ہے اس سے اس بات میں نسبتاً آسانی پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے مستقبل کے بارہ میں کوئی پیشنگوئی کی جائے۔ یہ حکم تو نہیں لگایا جا سکتا کہ ایک شخص کی قسمت بری ہے یا بھلی اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسے کہیں کہ

غیر متوقع طور پر دولت یا خزانہ ملنے والا ہے۔ لیکن اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ شخص مذکور نشانۂ واقعات و حوادث بنے گا۔ یا ان سب پر حاوی رہیگا۔ اس بارہ میں ہر بات شخص مذکور کی قوت ارادی، قوت اخلاقی اور درجۂ اثر پذیری پر منحصر ہے۔ مثلاً جب لکھنے والے کی تحریر کسی قدر جانب دست راست مائل ہوتی ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صاحب تحریر کی طبیعت سیمابانہ طور پر مادۂ اثر پذیری رکھتی ہے۔ لیکن یہ نتیجہ بھی صاف نہیں بلکہ مغالطہ انگیز ہے۔ کیونکہ ایسے شخص کی طبیعت پر اشیاء و اشخاص کا غیر معمولی اثر ہو سکتا ہے۔ ایسی حالت میں اگر اسکی قوت ارادی کمزور ہے تو وہ اپنے اس میلانِ طبع کی کوئی اصلاح نہیں کر سکتا۔ اسکی غیر معمولی قوت شعور اسے ع دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل بست کا مصداق کردیگی یعنی وہ "شیخ چلی" بنجائے گا اور چونکہ اس میں فقدانِ قوت ارادی بھی ہے اسلئے اسکی حالت مائل بہ جمود رہے گی۔ اور یہ دونوں خصوصیات ملکر کاہلی و تن آسانی میں منتج ہونگی۔ اسکے جذبات کی جولانیوں کیلئے وسیع میدان کھلا ہوگا۔ کردار یا اطوار کوئی چیز اسے مسرور و خوش نہیں کر سکے گی۔

تحریر دیکھ کر کسی شخص کے مستقبل پر حکم لگانے میں جس دوسری بات کا زیادہ حصہ ہے وہ یہ ہے کہ اسکی تحریر سطح قرطاس پر جانب پستی مائل ہے۔ یہ علامت منحوس ہے۔ کیونکہ اس سے حزن و ملال اور اعتماد بالنفس کے فقدان کا اظہار ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ تقدیر بھی انھیں لوگوں کی دلدادہ ہوتی ہے جو بہادر اور شجاع ہوتے ہیں۔ جس شخص کو اپنی ذات پر اعتماد نہیں۔ قسمت بھی اسکی بات نہیں پوچھتی۔ اور اسی افسردگی کا بھی لوگوں کے کردار پر مضر اثر پڑتا ہے۔ اور اسی وجہ سے ان کی زندگی خراب ہو جاتی ہے۔ اترا ہوا چہرہ دیکھکر لوگ کنارہ کر جاتے ہیں، وہ حزن و ملال، اداسی و افسردگی کو ایک قسم کی متعدی بیماری سمجھتے ہیں۔ یہی باعث ہے کہ ع افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را۔ ایسے لوگوں کو دنیا ہمیشہ تنہا چھوڑ دیتی ہے۔ اور یہ کوئی اچھی بات نہیں۔ کیونکہ دنیا میں کوئی شخص بے یار و مددگار رہنا پسند نہیں کرتا۔

اگر مائل بہ پستی تحریر کا باعث عارضی افسردگی خاطر یا چند روزہ علالت ہو تو ایسی تحریر کی علامات خصوصی دیکھکر مستقبل پر حکم نہ لگانا چاہیئے۔ کیونکہ وہ علامات مستقل نہیں بلکہ عارضی ہوتی ہیں۔ دنیا میں کوئی شخص خوشی و غم سے خالی نہیں۔ خوشی و غم توام ہیں۔ اور یہ دونوں باتیں تحریر سے ظاہر ہو جاتی ہیں۔

We shall have pleasure in paying
the second instalment of your
New Shares in the Bank when due.

(یہ متنوع تحریر کا نمونہ ہے)

خود غرضی، رشک و حسد، کمزوری طبیعت، تخیل کی مطلق العنانی کاہلی و تن آسانی، بے اعتمادی، فقدان

جودت، اشتعال پذیری، بےصبری اور فقدان ضبط نفس یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جس شخص میں بھی ہونگی اس کے لئے حزن و ملال اور غم و رنج کی کوئی کمی نہ ہوگی۔ طبیعت غیر ضابطہ اپنی دشمن آپ ہوتی ہے۔ اور نفس امارہ وہ چھوٹا سا دیوتا ہے جس کا مذہب و مشرب "انانیت" کے سوائے اور کچھ نہیں۔ رشک و حسد کی نسبت انگلستان کے ملک الشعراء شکسپیر نے خوب کہا ہے کہ "یہی شاہراہِ منزلِ جنون ہے۔" کاہل اور تن آسان آدمی اپنے سوائے اور کسی کا دشمن نہیں ہوتا۔ اور بے صبر آدمی کی غرض کبھی حاصل نہیں ہوتی۔ کاش ایسا شخص اس مقولہ پر عمل کرے:۔ "جو شخص انتظار کرنا جانتا ہے اس کے پاس ہر چیز خود بخود آجاتی ہے۔"

جس قدر کسی شخص میں شدت خواہش ہوگی اور اسی کے ساتھ قوت ارادی بھی معقول درجہ تک ہوگی تو وہ شخص عموماً کامیاب ہوگا۔ قوت ارادی ہی وہ طاقت ہے کہ اس کے بغیر میدان ترقی میں کوئی اقدام نہیں ہو سکتا۔ عقل و فہم بھی ضروری چیزیں ہیں۔ یہی انسانی کی خضر راہ ہیں۔ یہی وہ ناخدا ہیں جو کشتی حیات کو ساحل مراد تک پہونچا دیتے ہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ کامیابی کا درجہ بھی یکساں نہیں ہوتا۔ ہر شخص کو برابر کامیابی نہیں ہوتی۔ بعض آدمی تھوڑی سی ہی کامیابی پر پھول جاتے ہیں اور بعض آدمی ایک کامیابی کے بعد اسکندر اعظم کی طرح افسوس کرتے ہیں کہ "کوئی نئی دنیا فتح کرنیکو نہیں رہی۔" علاوہ ازیں ہر شخص کی ہمت اور سب کا حوصلہ یکساں نہیں ہوتا۔ کوئی دولت کا خواہشمند ہے تو کوئی عزت کا، کوئی سیاسی عزتوں کا آرزومند ہے تو کوئی فوجی عظمتوں کا۔ کوئی اقلیم میں کوس لمن الملک بجانا چاہتا ہے تو کوئی فنون لطیفہ میں شان یکتائی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ الغرض ع ہر کس بخیال خویش خبطے دارد۔

یہ کتنا فضول ہے کہ جو لوگ اچھے ہوتے ہیں وہی خوش و مسرور رہتے ہیں۔ مگر باینہمہ کسی قسم کا حکم لگانے کیلئے مبادیات قائم کرنا محال ہے تاکہ وقتاً فوقتاً غلطی میں پڑنے کا احتمال نہ رہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی آسان نہیں کہ انسان نیک بھی ہو اور احمق بھی۔ کیونکہ بچپن سے لیکر بڑھاپے تک کے تجربات یہ کہتے ہیں کہ احمق وہی جو برا ہو۔

کم عقل آدمی کے لئے واقعی دنیا میں عیش و مسرت یا دنیا کی دیگر مطلب و پسندیدہ باتوں کے حصول میں کامیابی کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں۔ ایسے اور اسی قبیل کے دیگر آدمی عموماً معاشرتی زینہ کی زیریں سیڑھی پر پائے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں میں چند خصوصیات مشترکہ ہوتی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ جب کبھی ان لوگوں سے کوئی سوال کیا جاتا ہے تو وہ کوئی قابل اطمینان اور واضح بیان نہیں دے سکتے۔ ان لوگوں میں ذہنی صحت و تدقیق کا فقدان ہوتا ہے۔ تخیئل کا تسلسل وہ نعمت ہے جو ان لوگوں کے حصہ میں نہیں آیا۔

ان کا ذہن آہستہ مگر محنت سے کام کرتا ہے اور وہ جو کچھ بھی کرتے ہیں ایک ہی ڈھرے پر کرتے ہیں۔ لکیر کے فقیر ہوتے ہیں اور ان کے دل میں یہ خیال کبھی نہیں آتا کہ پرانے اصولوں میں ترقی یا کوئی اضافہ کیا جائے۔

ایسے لوگ عموماً زود رنج ہوتے ہیں۔ سالہا سال تک دل میں کینہ رکھتے ہیں۔ اور جب کبھی فرصت ہوتی ہے تو اپنے طور پر اسی ایک بات میں منہمک ہو جاتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ ایسے لوگوں میں بہ طور نعم البدل بعض محاسن بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ اپنے آقا کے بڑے جان نثار اور فداکار ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ محنتی، کفایت شعار اور خوش مزاج بھی ہوتے ہیں مگر چونکہ ان کی ذہنیت ایسی قوت تمیز سے عاری ہوتی ہے کہ وہ صحیح و غلط یا خیر و شر میں فرق کر سکیں اسلئے ذہنی لحاظ سے وہ زیادہ صفات پسندیدہ اور اوصاف حمیدہ کے مالک نہیں ہو سکتے۔ علاوہ ازیں وہ زیادہ تر اپنی فطرت حیوانی کے غلام ہوتے ہیں۔ جس کے باعث ان میں حرص و آز، دروغگوئی، سرقہ اور شقاوت جیسے عیوب ذمیمہ پڑ جاتے ہیں۔ یہ لوگ ایک دوسرے سے بھی بیحد حسد کرتے ہیں اگر کسی دوست نے ذرا سی بھی ترقی یا کامیابی حاصل کر لی تو ان کے جذبات بغض و حسد فوراً مشتعل ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ اس غریب کو نقصان پہونچانے میں ہرگز دریغ نہ کریں گے۔ جہانتک خارجی باتوں کا تعلق ہے جن لوگوں کو از روئے علم فراست التحریر لاشئے محض سمجھا جاتا ہے۔ وہی اس بارہ میں سب سے اچھے نکلتے ہیں۔ کوئی شخص ان کی نسبت کچھ نہیں جانتا کیونکہ ان میں کوئی ایسی بات ہی نہیں ہوتی جسے جاننے کی ضرورت پڑے۔ علامات خارجیہ سب انکے موافق ہوتے ہیں۔ وہ چپ رہتے ہیں تو لوگ ؏ خموشی معنیٔ دارد کہ در گفتن نمی آید۔ کا خیال کرتے ہیں۔ ان کو متین اور سنجیدہ سمجھتے ہیں۔ ورنہ ان کی خاموشی ہی ان کی دانشمندی ہے۔ بقول حکیم شیراز ؎ تا مرد سخن نگفتہ باشد۔ عیب و ہنرش نہفتہ باشد۔ جب تک وہ کوئی بات زبان سے نہیں نکالتے تب تک انکی حماقت پر پردہ پڑا رہتا ہے۔ ان میں جودت طبع نہیں ہوتی۔ مگر لوگ اس نقص کو ان کی دانشمندی اور دوراندیشی پر معمول کرتے ہیں۔ لوگ ان کی نسبت یہ بھی خیال رکھتے ہیں کہ ان کی سیرت نہایت طاقتور اور عمیق ہے۔ لوگ ان کو صاحب شعور بھی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ ایسے لوگ وہی کام کرتے ہیں۔ جن کی ان سے توقع ہوتی ہے۔ وہ بہت ہی کم گو اور کم سخن ہوتے ہیں۔ اور جو کوئی بات انکی زبان سے نکلتی بھی ہے تو وہ سنی سنائی ہوتی ہے جو انھوں نے ادہر ادہر سے یاد کر لی ہے۔ یہی باتیں زندگی بھر

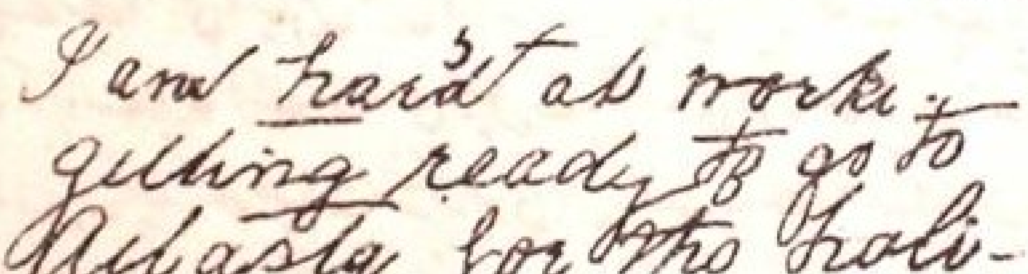

"الفاظ کے آخری حروف اوپر کی جانب چڑھتے ہیں جس سے سرور و ابتہاج ظاہر ہوتا ہے۔"

ان کے کام آتی رہتی ہیں۔ یہ لوگ "مرنجان و مرنج" قسم کی مخلوق ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس سے زیادہ وہ کچھ کر بھی نہیں سکتے۔ خموشی انکی پردہ دار ہوتی ہے اور لوگ اسی ایک صفت کے باعث انھیں نہایت متین و سنجیدہ اور دانشمندانہ و فہیدہ سمجھنے لگتے ہیں۔

جن لوگوں کی تحریروں سے اونکا درمیانی درجہ میں ہونا ظاہر ہوتا ہے وہ اگر خوش قسمت نہیں ہوتے تو بیشتر ہوتا ہے کہ وہ کبھی کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اور اس طبقہ کے بعض لوگ کسی قدر ہوشیاری اور ہنرمندی سے بھی خالی نہیں رہتے۔ اور بعض واقعی صاحب سلیقہ اور ذکی ہوتے ہیں لیکن آخری حکم یہ ہے کہ یہ سب ایک عامیانہ اور بھدے سانچہ میں ڈھلے ہوتے ہیں۔ جسکے باعث انھیں درجہ بلندی نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ انکی تعلیم و تربیت اور دیگر محاسن محض سطحی ہوتے ہیں۔ وہ پالش شدہ بت ہیں۔ باہر سے چمکدار لیکن اندر سے پتھر ۔ سمجیں۔ ان کی فطرت ادنے درجہ کی ہوتی ہے۔ وہ تنگدل اور متعصب ہوتے ہیں اسی لئے کبھی ترقی نہیں کرسکتے۔ اگر اس قماش کے کسی آدمی میں کافی قوت ارادی ہو، تو ممکن ہے کہ وہ بسلسلہ تجارت دولتمند ہو جائے۔ الغرض از روئے علم فراست التحریر ایسے لوگوں کے لئے صرف یہی حکم لگایا جاسکتا ہے۔

اوسط درجہ کے لوگوں میں بعض دیگر آدمی بھی کامیابی حاصل کرلیتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو لسّان، ہوشیار و چالاک، باہمت صاحب حوصلہ ہوتے ہیں۔ اسی قسم کے لوگ عموماً میدان سیاسیات میں کود پڑتے ہیں اور بعض اوقات سیاسیات ملکی میں معراج ترقی حاصل کرلیتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جسقدر ملک انکی خدمت کرتا ہے اسقدر وہ ملک کا کام نہیں کرتے۔

اعلےٰ قسم کی مسرتیں اور ارفع قسم کے محاسن اس شخص کا حق ہیں جو درجۂ عالی رکھتا ہے۔ اگر ایسے شخص میں عقل و فہم کا مادہ زیادہ ہے تو وہ یہ دونوں نعمتیں حاصل کرسکتا ہے۔ اسکی عقل و فہم اس قدر ترقی یافتہ ہوتی ہے کہ وہ ہر بات سے بآسانی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ وہ لوگوں کے خیالات عالی منتخب کرکے انھیں اپنا بنا لیتے ہیں۔ اور چونکہ وہ طریقہ تقابل سے نتائج اخذ کرسکتے ہیں۔ اسلئے انمیں قوت اجتہاد پیدا ہو جاتی ہے اور وہ کسی خاص مذہب کے مقلد نہیں ہوتے۔ اور چونکہ انکے طبائع عالی پر تعصبات کا کوئی اثر نہیں ہوتا اسلئے وہ بہت جلد درجہ اعلےٰ تک پہونچ جاتے ہیں۔

سب سے زیادہ خوش نصیب وہ صاحب ذکا شخص ہوتا ہے جسکا دماغ روشن ہو اور علم و فضل میں بھی متبحر رکھتا ہو۔ دنیا اسکا عشرت خانہ ہو وہ اپنی اس گھر کو جیسے چاہے اور جسطرح چاہے ترقی دے سکتا ہے۔ وہ جو قدم اُٹھاتا ہے ناپ تول کر اٹھاتا ہے اور ایسے مقامات سے صاف گذر جاتا ہے جہاں دوسرے طبقہ کے لوگ ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ ایسا شخص بنی نوع انسان کا محسن ہوتا ہے۔ اور اگر ایسا شخص کسی ملکی عہدہ پر فائز ہوتا ہے تو نوع بشری کو بیحد فائدہ پہونچتا ہے۔

جن لوگوں کو مرتبہ نبوغ حاصل ہوتا ہے انکی بات ہی دوسری ہے۔ بعض اوقات ایسے لوگونکے محاسن ہی ان کے لئے معائب بنجاتے ہیں۔ اسی لئے وہ ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھوں ستائے جاتے ہیں جو ان سے اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ انکی ذہانت کی انفرادیت ہی ایک ایسی چیز ہے جسکے باعث اکثر لوگ انکی شخصیت کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ وہ ابنائے زمانہ سے آگے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور مشعل راہ کا کام دیتے ہیں۔ اور جبتک دنیا انھیں سمجھنے کے قابل ہو وہ دنیا سے گذر جاتے ہیں۔

عام خیال یہ ہے کہ نابغہ کا وجود شاذ و نادر ہوتا ہے۔ مگر یہ خیال غلط ہے۔ ایسے لوگ اعلےٰ عہدوں پر ممتاز ہوتے ہیں۔ کیونکہ جن کے ہاتھوں میں دنیوی عزت و جاہ ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک نابغہ لاشئے محض ہوتے ہیں۔ نابغہ اپنے عمل میں نظائر سابقہ کی پروا نہیں کرتے

اور نہ وہ روایات قدیمہ کی کوئی حقیقت سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی ذات سے حکومت کے کل پرزوں میں بھی فرق پڑ جاتا ہے۔

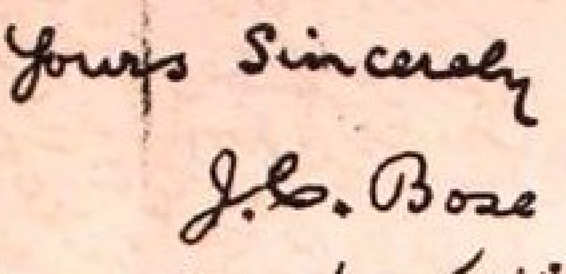

"نمونہ تحریر سے لکھنے والے کی دقت نظر اور اسکی صفائی ظاہر ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ تفصیل پسند ہے"۔

عیش و مسرت اور وہ کامیابی جسکا نتیجہ عیش و مسرت ہوتی ہے۔ ادنےٰ لوگوں کا حصہ ہیں نہ نابغہ کا۔ یہ برکتیں ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہیں۔ جنکی تحریر صاف، ہموار، خوش نما، قدرے زاویہ دار، اعتدال کے ساتھ مائل بہ عروج، غیر پیچیدہ ہو، اور جن کے حروف (ت) کے خطوط تقاطع ہمواری کے ساتھ حرف اصلی سے آگے بڑھے ہوئے ہوں۔ اگر کوئی ماہر فراست التحریر ایسا خط دیکھے تو وہ اطمینان کے ساتھ یہ حکم لگا سکتا ہے کہ لکھنے والا خوش قسمت و مسرور اور ممتاز شخصیت کا آدمی ہے۔ ایسے لوگ دنیا میں کچھ کر گذرتے ہیں۔ اور دوسروں کی رہنمائی کے لئے اپنا نقش قدم چھوڑ جاتے ہیں۔

تحریر اور شخصیت

فطرت نے ہر شخص کو کم و بیش ماہر علم فراست التحریر بنایا ہے۔ مثلاً جب کبھی ہمارے پاس کوئی خط کسی اجنبی کے پاس سے آتا ہے تو ہم فطرتاً اس خط کے طرز تحریر پر بار بار الٹ پلٹ کر غور کرتے ہیں، نقد و نظر کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ الغرض لفافہ کھولنے بھی نہیں پاتے کہ لفافہ پر کا پتہ لکھا ہوا دیکھ کر ہمارے دل میں صاحب تحریر کی نسبت بھلا یا برا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد کہیں وہ نوبت آتی ہے جس کی طرف کسی شاعر نے اس مصرعہ میں اشارہ کیا ہے کہ ع خط کا مضمون بھانپ لیتے ہیں لفافہ دیکھکر

اگر لفافہ پر لکھا ہوا پتہ صاف، خوشخط اور بلحاظ نشست کشش و دوائر عمدہ ہے تو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ لکھنے والا محنتی اور صاحب سلیقہ شخص ہے اسکے عادات و اطوار سب منظم و باقاعدہ ہیں۔

اسکے بعد اگر ہمارے نتائج غلط ثابت ہوں، یعنی وہ شخص فی الحقیقت کاہل و آرام طلب نکلے۔ جسے نہ لباس پہننے کا سلیقہ ہو نہ رفتار و گفتار کا۔ اسکے کردار میں بے پروائی اور اطوار میں بے ڈھنگا پن ظاہر ہو اور صورت شکل کے لحاظ سے بھی قابل توجہ نہ ہو۔ تو ہمیں سخت حیرت ہوتی ہے۔

اسیطرح جب ہم کسی شخص کی تحریر "پیچ پیچ" ناہموار، گندہ اور اسقدر خراب دیکھتے ہیں کہ اسکے پڑھنے میں بھی تکلف ہوتا ہو تو ہمارے دلمیں صاحب تحریر کی نسبت کوئی اچھا خیال پیدا نہیں ہوتا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ صاحب تحریر ایک لاپروا، غیر منضبط اور بے ڈھنگا آدمی ہے اور ہرگز اس قابل نہیں کہ اسے کوئی ذمہ داری کا عہدہ سپرد کیا جا سکے۔

الغرض اس میں شک نہیں کہ کسی کی تحریر اور اس کی شخصیت کے درمیان نہایت گہرا تعلق ہے۔ زبردست فلسفی گیٹے جس نے فطرت انسانی کا اسقدر وسیع و عمیق مطالعہ کیا تھا لکھتا ہے کہ "اس میں ذرہ بھر بھی شبہ نہیں کہ طرز تحریر کا کچھ نہ کچھ تعلق

انسان کے کردار اور ذہنیت سے ضرور ہوتا ہے۔"

اور موسیو لافیٹر نے تو اس سے بھی زیادہ دعویٰ کیا ہے وہ کہتا ہے: "میں اکثر صورتوں میں دیکھتا ہوں کہ انسان کے طرز گفتار و رفتار اور تحریر میں بہت نمایاں تعلق ہوتا ہے۔"

اگر علم قیافہ پر کسی شخص کی کردار خوانی کے لئے بھروسہ کیا جاسکتا ہے تو اس معاملہ میں علم فراست التحریر اس سے بھی زیادہ زبردست خضر راہ ہے۔ یہ وہ علم ہے۔ جسکی روشنی میں شخصیت انسانی کے طلسم اسرار میں گوشہ گوشہ کی سیر کی جاسکتی ہے۔ یعنی اگر علم قیافہ کے ذریعہ کہ کسی انسان کی صورت شکل اور خط وخال دیکھکر اس کے رازہائے سربستہ کو معلوم کیا جاسکتا ہے اور یہ بھی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ وہ کس قماش اور کس شعار کا آدمی ہے تو جو حروف اپنے ہاتھ سے بناتا ہے انکی نوک پلک اس کے کردار کا ایک مستقل فوٹو ہوتی ہے۔ اور یہی وہ باتیں ہیں جن کا مطالعہ کرنا ایک ماہر علم فراست التحریر کا کام ہے۔ انسان خواہ کتنا ہی عیار و طرار ہو وہ اور دنیا بھر کو دہوکا دے لیکن جونہی وہ شخص اضطراری طور پر اپنے ہاتھ کی کوئی تحریر سطح قرطاس پر نقش کرے گا تو ایک ماہر علم فراست التحریر کی نظروں میں اس کا تمام رنگ روغن عیاری ڈہل جائے گا۔

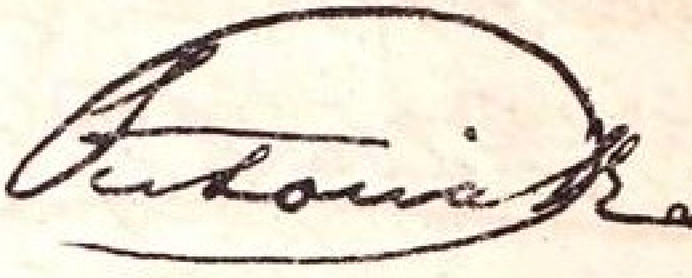

"اس نمونہ سے فراست، شعور، کاروباری حوصلہ، استقلال فی العمل اور ملنساری ظاہر ہوتی ہے۔"

علم فراست التحریر کے معترضین کی ایک بڑی حجت یہ ہے کہ چونکہ انسان کی تحریر کا رنگ وقتاً فوقتاً متغیر ہوتا رہتا ہے اسلئے اسکی رو سے کردار انسانی پر لگایا ہوا کوئی حکم قابل اعتبار اور جامع و مانع نہیں ہو سکتا۔ لیکن سچ پوچھئے تو یہی اعتراض اس علم کی صداقت کا بہترین ثبوت ہے چونکہ انسان کا مزاج وقتاً فوقتاً بدلتا رہتا ہے۔ اسلئے انسان کی تحریر میں بھی اسکے تغیرات مزاج کا جلوہ اسی طرح نظر آتا ہے۔ جیسے اسکے خط و خال کا عکس آئینہ میں دکھائی دیتا ہے۔ اب خواہ وہ شگفتہ ہو یا ملول انسان کا چہرہ وہی رہتا ہے اور فوراً پہچان لیا جاسکتا ہے۔ اسیطرح کوئی شخص اگر کتنی عجلت کے ساتھ کسی دوست کے نام رقعہ لکھے۔ مگر مکتوب الیہ فوراً کاتب کی شخصیت کو پہچان جاتا ہے۔

تحریر کے ذریعہ سے نہ صرف انسان کی شخصیت ہی معلوم کیجا سکتی ہے بلکہ اس سے اس کی عمر، جنس (مذکر یا مونث) اور قومیت بھی ظاہر ہوجاتی ہے۔ یہاں بھی گویا علم قیافہ اور علم فراست التحریر دونوں میں بہت گہرا تعلق ہے۔ مثلاً از روئے علم قیافہ ہم کسی شخص کے چہرہ میں بعض مخصوص کیفیت دیکھکر پہچان جاتے ہیں کہ وہ شخص فرانسیسی ہے یا جرمن، روسی ہے یا اطالوی، گویا ہر انسان کے چہرہ پر اسکی قومیت برستی ہے اسیطرح ہر قوم کے افراد کی تحریر میں بھی بعض خصوصیات ایسی ہوتی ہیں جن سے اسکی قومیت کا اظہار ہو جاتا ہے۔ اگر مختلف ممالک سے موصول شدہ خطوط کا ایک گٹھا سامنے موجود ہو تو معمولی سی عقل و فہم کا آدمی بھی ہر خط کا طرز تحریر دیکھکر ان خطوط کو الگ الگ کر دیگا اور بآسانی بتا دیگا

کہ راقم الحروف انگریز ہے یا جرمن، رومی ہے یا اطالوی، فرانسیسی ہے یا یونانی۔

الغرض یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان کی تحریر اسکی قومیت کا بھی آئینہ ہوتی ہے۔ اور جسطرح مختلف افراد کے چہرہ کے خط و خال دیکھکر یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ انکا تعلق کس خاندان سے ہے اسی طرح حروف تحریر کی نوک پلک دیکھکر انسان کی قومیت کا پتہ چلجاتا ہے۔

تحریروں کی قومی خصوصیات یہ ہیں کہ فرانسیسی قوم کا شخص صاف ستھرا، صفائی پسند، کفایت شعار، محنتی، شان و شوکت اور نفاست و لطافت کا دلدادہ ہوتا ہے۔ یہی خصوصیات اسکی تحریر میں بھی ہوتے ہیں جو عموماً نہایت ہموار اور صاف ہوتی ہے۔ چونکہ تمام وہ قومیں جو فنون لطیفہ کی دلدادہ ہوتی ہیں ضرورت سے زیادہ حساس ہوتی ہیں۔ صورت، شکل، وضع، قطع، رنگ، روپ اور لب لہجہ سے بہت جلد متاثر ہوجاتی ہیں۔ اسی طرح اطالوی قوم کے آدمی بھی ان خصوصیات سے متصف ہوتے ہیں۔ یہی باعث ہے کہ انکے حروف کا ڈھلاؤ جانب دست راست بہت زیادہ ہوتا ہے، حروف میں پھندے لمبے اور نمایاں ہوتے ہیں اور حروف کلاں خوبصورت اور مرصع ہوتے ہیں

امریکہ کے لوگ بحیثیت القوم کاروباری اور عملی آدمی ہیں، انکے فیصلے بھی کاروباری رنگ میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔ ذہنی طور پر وہ نہایت سرگرم اور بیقرار ہوتے ہیں۔ یہی باعث ہے کہ انکی تحریریں بہت باریک ہوتی ہیں۔ حروف بھی کسی قدر زاویہ دار ہوتے ہیں، فضول اور نمائشی کششیں نہیں ہوتیں۔ تحریریں عموماً صاف، سادہ اور اسقدر واضح ہوتی ہیں کہ بآسانی پڑھی جاسکتی ہیں۔

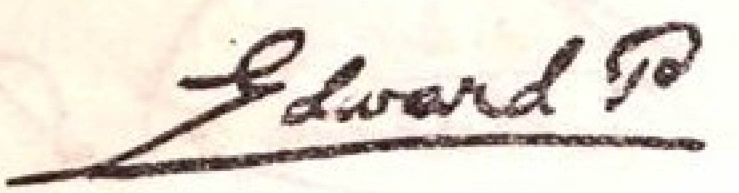

"اس نمونہ سے حفاظت کی اسپرٹ، ہمدردی، چستی چالاکی اور امید ظاہر ہوتی ہے، یہ دستخط ولیعہد تاج برطانیہ کے ہیں"۔

انسان کے کردار و اطوار معلوم کرنے کے لئے علم فراست التحریر کی طرف فی زمانا ہر ملک میں توجہ کیجارہی ہے لیکن جسقدر دلچسپی اس علم سے فرانس کو ہے اسقدر کسی دوسرے ملک کو نہیں ہے۔ فرانس کے سائنسدانوں نے اس علم پر نہایت جوش و خروش کے ساتھ توجہ کی ہے اور یہ قرار دیا ہے کہ علم فراست التحریر علوم قیافہ و نفسیات کے مابین ایک درمیانی کڑی ہے۔

اسی سلسلہ میں ایک نوعمر آدمی پر تجربے کئے گئے۔ پہلے اس شخص پر عمل تنویم کیا گیا۔ بعد ازاں اسے یہ یقین دلایا گیا کہ اسکی شخصیت سہ گانہ ہے۔ یعنی ایک ذات میں تین شخصیتوں کا وجود ہے پہلے اس سے کہا گیا کہ وہ ایک چالاک اور مکار کسان ہے۔ پھر یہ جتایا گیا کہ وہ مولیر کے ڈرامہ "لا ابویئر" کا بخیل مسمی ہارپگون ہے اور تیسری بار یہ بتایا گیا کہ وہ ایک بوڑھا آدمی ہے۔ جوں ہی اسکی شخصیت اس نوجوان کو جتائی گئی۔ اسکے چہرے نے فوراً اس شخصیت کی ظاہری خصوصیات قبول کرلیں اور آواز میں بھی ویسا ہی تغیر واقع ہوگیا۔ الغرض اسکا تمام رنگ ڈھنگ بالکل ویسا ہی ہوگیا جیسا وہ خود کو سمجھتا تھا۔ یہی تغیرات اسکے طرز تحریر میں بھی نمایاں ہوگئے۔ یعنی پہلے کسان کا طرز تحریر نمایاں ہوا، اور پھر ایک کنجوس اور بخیل شخص اور پھر ایک ہشتاد سالہ بوڑھے کا۔

کلام (بی۔ اے)

مطالعۂ حدیث تنقید صحیح کی روشنی میں

(۵)

غلامی

(گذشتہ سے پیوستہ)

گزشتہ اشاعت میں مینے دکھلایا تھا کہ قرآن کریم نے دنیا کے تمام مذاہب سے علحدہ یہ عجیب وغریب اصول پیش کیا تھا کہ مذہب میں کوئی جبر نہیں۔ اور انسان اپنی رائے میں آزاد ہے اور اپنے ذاتی اعتقاد میں سوائے خدا کے کسی کا مسئول اور جواب دہ نہیں۔ پھر مینے دکھلایا تھا کہ حدیث نے کس طرح اس زریں اصول کو پامال کرکے قرآن کا سب سے بڑا افتخار چھین لیا آج ہم حریت انسان پر بحث کرین گے اور یہ دکھلائین گے کہ قرآن اس اصول مین بھی تمام مذاہب سے جدا نظریہ پیش کرتا ہے مگر حدیث نے اس اصول کی بھی مخالفت کی۔

پہلے یہ سمجھ لو کہ غلامی کیا چیز ہے اگر غلامی سے ایک انسان کا دوسرے انسان کا دست نگر اور خدمت گذار ہونا مراد ہو تو غلامی دنیا کی ایک اقتصادی اور معاشرتی بلکہ فطری ضرورت ہے اور اس سے دنیا کا کوئی زمانہ نہ گذشتہ نہ آئندہ مستغنی ہوسکتا ہے اور نہ کوئی مذہب و شریعت اس مین مداخلت کرسکتی ہے۔ پھر وہ کونسی غلامی ہے جو مذموم ہے اور قرآن کو اسکے لیے اعتاق و کتابت کی صورتین و تدابیر اختیار کرنا پڑین، تم کہوگے کہ مذموم یوں ہے کہ غلام کی ذات سے ایک تیسرا شخص مالی فائدہ اٹھاتا ہے جس مین خود اس کی رائے کا کوئی دخل نہین، بہت اچھا، لیکن کیا ایسی صورت مین نکاح بھی ایک قسم کی غلامی نہین، یہ وہ بھی انسانی بیع و شرا ہے و ہبہ کا دوسرا نام ہے مگر میرا مطلب یہان غلامی کے فلسفہ اور تاریخ سے بحث کرنا نہین ہے، صرف اس قدر بتانا ہے کہ وہ کونسی غلامی ہے جو مذموم قرار دی گئی ہے۔ اس کو مین مختصراً بتانا چاہتا ہون۔

"جوردس پر ڈونس" میں انسان کی تعریف کی گئی ہے کہ انسان فطرتاً ایک لڑاکو جانور ہے اور خود قرآن نے بھی یہی تعریف انسان کی کی ہے "وکان الانسان اکثر شئے جدلا" یعنی تنازع للبقا انسان کی فطرت ہے اور جد وجہد کا نتیجہ دو ہی صورتون مین نکلتا ہے، غالب اور مغلوب، اور یہ غالب کے اختیار مین ہے کہ مغلوب کو معدوم کردے یا زندہ رہنے دے پس معدوم کرنے کے علاوہ اور جو برتاؤ غالب کا مغلوب کے ساتھ ہوگا وہ سب غلامی کی صورتین ہین۔ جنگ خواہ جائز ہو یا

یا جائز لیکن غلامی کے سدّ باب کے لیے مذاہب کو کئی مراحل طے کرنے پڑیں گے یعنی اول یہ کہ جنگ کو بند کیا جائے دوم مغلوب کو قتل کرنا ممنوع قرار دیا جائے سوم یہ بھی ممنوع ہو کہ مغلوب کو اسیر و نذرانی نہ کیا جائے چہارم اس کو حرام ٹھہرایا جائے کہ مغلوب کو اسیر کرنے کے بعد اس سے فدیہ نہ لیا جائے یا اس کو فروخت کرکے روپیہ وصول کیا جائے پنجم خریداروں کو منع کر دیا جائے کہ وہ مغلوبوں کو نہ خریدیں ششم لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ مغلوبوں کو خرید کرکے بلا شرط کے آزاد کر دیں

ان صورتوں پر غور کرو۔ کیا تم کہہ سکتے ہو کہ کسی مذہب نے کسی ایک صورت کو اختیار کیا اور کامیابی حاصل کی اب دیکھو قرآن نے کیا اسکیم پیش کی ہے جو..... قابل عمل بھی ہے اور اصول فطرت انسانیت کے مخالف بھی نہیں،

سب سے پہلے تو قرآن نے ایک مسلم کو دوسرے مسلم کا بھائی تسلیم کیا یعنی ایک مغلوب کے لیے آزادی حاصل کرنے کی سب سے بہتر صورت تو یہ ہے کہ وہ اسلام قبول کرے اور مسلمانوں کے ساتھ دوش بدوش کھڑا ہو جائے۔ اگر وہ اسکو قبول نہیں کرتا تو مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ وہ فدیہ لے کر یا احسان رکھ کر چھوڑ دیں، اگر یہ نہ کریں یا ان کے اختیار میں نہ ہو تو غلاموں کو آزاد کرکے اپنے گناہوں کا کفارہ دیں، اگر مسلمانوں کو اس میں بھی تامل ہو تو پھر مغلوب جس وقت اپنی قیمت ادا کر دے آزاد ہے اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ غلاموں کی ایسی شرط سے ہرگز انکار نہ کریں۔

اس لیے اس سلسلے میں تین عنوان بحث طلب ہیں (۱) حریت مسلم از روے قرآن و حدیث (۲) اعتاق قرآن و حدیث (۳) کتابت قرآن اور حدیث میں

(۱) حریت مسلم (از روے قرآن و حدیث)

سورۂ حجرات میں دو آیتیں ہیں جو اسلامی اخوت و مساوات کی ضمانت ہیں

اوّل انما المومنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم	اور مسلمان آپس میں بھائی ہیں اس لیے اپنے بھائیوں میں صلح کرادو
واتقوا الله لعلکم ترحمون ط آیت ۱۰	اور اللہ سے ڈرتے رہو شاید تم فلاح پاؤ
دوم یا ایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ	اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا
وجعلنٰکم شعوبا وقبائل لتعارفوا	اور تمھارے لیے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایکدوسرے کو
ان اکرمکم عند الله اتقٰکم	پہچان سکو، خدا کے نزدیک تم میں وہی سب سے زیادہ عزت والا
ان الله علیم خبیر۔ آیت ۱۳	ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے اور اللہ علیم و خبیر ہے،

کس کی مجال ہے کہ ان دو آیتوں کے ہوتے ہوے ایک مومن کو عبد قرار دے اور دوسرے کو معبود۔ خدا کے نزدیک دونوں کے حقوق برابر ہیں۔ اور اگر یہ آیتیں ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے برابر کرنے میں کافی نہیں ہیں تو قرآن سے اس کو بھی سمجھ لو کہ مسلمانوں پر جبر کرنیوالے کا کیا حشر ہوگا۔ سورۂ بروج میں ارشاد ہوتا ہے

ان الذین فتنوا المومنین والمومنٰت ثم لم یتوبوا	اور یقیناً جو لوگ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کو مبتلائے تکلیف

فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ (ایت ۱۰)

رکھتے ہین (یا ان پر جبر کرتے ہین یا انکو آزمایش مین ڈالتے ہین) اور اپنے کام سے توبہ نہین کرتے تو ان کے لیے عذاب جہنم ہے اور ان کے لیے جلنے کا عذاب ہے۔

اگر مسلمانون کو غلام بنانا فتنوا المومنین مین ہے تو خیر ورنہ اس آیت سے مسلمانون کو غلام بنانا بدترین گناہ ہے جس کی پاداش مین عذاب جہنم ہے لیکن فرض کرو کہ مسلمانون کے قبضے مین ایک ایسا اسیر ہے جس کا کوئی وارث نہین اور وہ مسلمان ہو جاتا ہے کیا اس کو فوراً خدمت سے علٰحدہ کر دیا جاے۔ مین پہلے کہہ چکا ہون کہ خدمت کرنا غلامی نہین ہے، اگر ایسے مسلمان کا ذریعہ معاش اپنے مالک کی رفاقت مین ہے اور اس کی خدمت کرنے مین بہترین طریقے سے میسر ہوتا ہے تو اُسکا نام غلامی نہ ہوگا اور اس طرح کی خدمت گذاری ناجائز نہین البتہ اسکی حیثیت غلام کی نہ رہے گی۔ وہ تمھارے خاندان کا ایک فرد ہے اور جس طرح تم کو اپنے اولاد کی خانہ آبادی کی فکر کرنی چاہیے ایسے ہی اپنے اس خدمت گار کی چنانچہ ارشاد ہوتا ہی

وَانكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (نور ع ۴)

اور مجردون کا اپنے لوگون مین سے نکاح کردو اور جو تمھارے خدمت گار مرد و عورتین مسلمان ہون اگر یہ لوگ محتاج ہونگے تو اللہ اپنے فضل سے انکو غنی کردیگا اور اللہ واسع و علیم ہے

یہ واقعہ ہے کہ مسلمانون نے اس حکم کی تعمیل مین بسا اوقات ایسے غلامون کو دامادی کا رتبہ دیا ہے

ابتداے اسلام مین یہ تو ممکن نہ تھا کہ مسلمانون کی جماعت سے مقاتلہ کیا جاے اور مسلمان گرفتار کرکے اسیر و غلام بنائیجائین اس لیے قرآن نے کبھی فرض نہ کیا تھا کہ مسلمان کا مسلمان کی غلامی کرنا ممکن ہے البتہ ایسا تھا کہ مسلمان کفار کے ہاتھون اسیر ہو گئے اور کفار نے اُن کو غلام بنا لیا ایسے لوگون کو چھڑانا مسلمانون کا ایک فرض تھا، چنانچہ قتل اتفاقی کے کفارے مین مسلمان غلام کو آزاد کرنا ضروری کیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے،

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ ۔۔۔ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا

(۴ - ۹۲)

اور مومن کے لیے جائز نہین کہ ایک مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے اور جو مومن کو غلطی سے قتل کرے تو اسکو چاہیے کہ ایک مومن کی گردن کو (کفار سے) آزاد کراے، اور مقتول کے وارثون کو خون بہا دے، تا وقتیکہ خون بہا وہ معاف نہ کردین، اور جو شخص غلطی سے ایسے شخص کو قتل کرے جو مسلمان نہین لیکن ان سے صلح کا قول و قرار ہے تو وہ مقتول کے وارث کو خون بہا دے اور ایک مسلمان اسیر کی گردن کو چھڑاے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو دو ماہ تک لگاتار روزے رکھے بطور توبہ کی خدا کے حضور مین، اور اللہ علیم و حکیم ہے

تم سارے قرآن کو پڑھ جاؤ اور اس کے ساتھ رسول صلعم اور خلفائے راشدین کے زمانے کی تاریخ کو دیکھو تم کوئی ایسا واقعہ نظر نہ آئے گا کہ مسلمان کو مسلمان نے غلام بنایا، اب حدیث کو دیکھو، حدیث نے غلام کے بارے مین مسلم وغیر مسلم مین کوئی تفریق نہین رکھی نہ صرف یہ بلکہ اس کے ساتھ خدا کو غلامون کے خلاف مالکون کا طرفدار بنا دیا ہے جو بھاگے ہوئے غلام کی نماز قبول نہین کرتا۔ اور غیر آزاد شدہ مسلمانون نمازکی زیادہ جزا دیتا ہے تاکہ اس طرح ان کے آنسو پچھ جائین غلامون کو کوئی حق نہین وہ محض جانور ہین اگر ان کا مالک ان کو قتل کر ڈالے تو یہ اس کا مال ہے اس نے اپنا نقصان کیا صرف تھوڑی گوشمالی کافی ہے۔

(۱) منصور بن عبدالرحمٰن نے شعبی سے سنا اور شعبی نے جریر سے وہ کہتے تھے جو غلام اپنے مالکون کے پاس سے بھاگ جاوے وہ کافر ہوگیا، جب تک لوٹ کر نہ آئے منصور نے کہا قسم خدا کی حدیث تو مرفوعاً رسول اللہ صلعم سے مروی ہے لیکن مجھے برا معلوم ہوا کہ مین اس طرح اور اس جگہ بصرے مین کیون (کیونکہ بصرے مین خوارج کا زور تھا) (مسلم)

(مسلم کے حاشیہ مین ہے ابو حاتم نے کہا منصور ضعیف الروایت ہے۔ جریر کی دوسری روایت مین ہے جب غلام بھاگ جاوے تو اس کی نماز قبول نہ ہوگی چونکہ خوارج کا اعتقاد تھا کہ کبائر کا مرتکب کافر ہوتا ہے خوف تھا کہ اس حدیث سے سند پکڑین گے حالانکہ کفر ناشکری کے معنی بھی آتا ہے) واضح ہو کہ جریر خود معاویہ کے غلام تھے

(۲) ایک شخص نے اپنے غلام کو قصداً مار ڈالا تو آنحضرت نے اس کو سو کوڑے لگائے اور ایک سال کیلیے اسکو جلاوطن کردیا اور اس کا حصہ مسلمانون کے حصے سے نکال دیا (ابن ماجہ)

(مگر یہ حدیث ضعیف ہے)

(۳) ابراہیم نے اپنے باپ سے روایت کی کہ ہم پر علی ابن ابی طالب نے خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ جو دعویٰ کرے کہ ہمارے پاس کوئی اور چیز ہے سوائے کتاب اللہ کے اور اس صحیفے کے۔ راوی نے کہا ایک صحیفہ لٹکا ہوا تھا انکی تلوار کے میان مین تو اس نے جھوٹ کہا اور اس صحیفے مین اونٹون کی عمرین اور کچھ زخمون کا بیان تھا اور اس صحیفے مین یہ بھی ہے کہ جناب رسول اللہ صلعم نے فرمایا مدینہ حرم ہے عیر اور ثور کے بیچ مین سو جو شخص کہ کوئی نئی بات نکالے اس جگہ یا جگہ دے کسی نئی بات نکالنے والے کو اس پر لعنت ہے اللہ تعالیٰ کی اور فرشتون اور سب لوگون کی نہ قبول کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا کوئی فرض نہ سنت۔ اور امان دینا ہر مسلمان کا برابر ہے کہ اعتبار کیا جاتا ہے ادنے مسلمان کا۔ اور جس نے اپنے آقاؤن کے سوا کسی دوسرے کا غلام اپنے کو قرار دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے اور فرشتون اور سب لوگون نے لعنت کی ہے اور نہ قبول کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن نہ فرض اور نہ سنت، (مسلم)

(سنی مسلمان غالباً اس صحیفے سے کان کھڑے کریں گے کہ یہ کیا بلا تھی لہٰذا ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ صرف شیعوں کا قول نہیں ہے کہ قرآن کا بڑا حصہ حضرت علی کے بارے میں نازل ہوا تھا جو گم کر دیا گیا بلکہ یہ عقیدہ حدیث کا بھی پایا جاتا ہے حدیث میں قرآن کے تحریف تبدیل و تنسیخ کی تقریباً اتنی ہی روایتیں ہیں جتنی شیعوں میں پائی جاتی ہیں اسی سلسلہ میں میرا ایک مضمون "مخالفت و معاندت قرآن" بھی ہے جس کا انکار کرنا چاہیے اس صحیفے کا ذکر مسلم کی ایک اور روایت میں اس طرح ہے

ابن صحیفہ نے کہا میں نے حضرت علی کو پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی ایسا علم ہے جو اور لوگوں کے پاس نہیں ہے۔ انھوں نے کہا نہیں خدا کی قسم ہمارے پاس وہی علم ہے جو اور لوگوں کے پاس ہے صرف اتنی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو قرآن میں ایک سمجھ دی ہے اور چند باتیں ہیں جو اس کتاب میں ہیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص مجکو بتائیں اس کتاب میں دیتوں کا بیان تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور یہ تھا کہ مسلمان کافر کے بدل نہ مارا جاوے"

یہ روایت ابن ماجہ میں بھی ہے۔

(۴) ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا تین آدمیوں کو دُہرا ثواب ملے گا ایک تو اس شخص کو جو اہل کتاب میں سے ہو ایمان لایا ہو اپنے پیغمبر پر پھر میرا زمانہ پاوے اور مجھ پر بھی ایمان لاوے اور میری پیروی کرے اور مجھ کو سچا جانے تو اس کو دہرا ثواب ہے اور ایک اس غلام کو جو اللہ کا حق بھی ادا کرے اور اپنے مالک کا بھی اس کو دہرا ثواب ہے اور ایک اس شخص کو جس کے پاس ایک لونڈی ہو پھر اچھی طرح اس کو کھلا دے اور پلا دے بعد اس کے اچھی طرح تعلیم و تربیت کرے پھر اس کو آزاد کرے اور اس سے نکاح کر لیوے تو اس کو بھی دہرا ثواب ہے (مسلم ابن ماجہ)

(۵) عبد اللہ ابن عمر کی روایت ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا جب کوئی تم میں سے حاصل کرے جورو یا غلام یا لونڈی تو اس کی پیشانی پکڑے اور کہے اللھم انی اسئلک من خیرھا وخیر ما جبلت علیہ واعوذ بک من شرھا وشر ما جبلت (ابن ماجہ)۔

(اونٹ کی خریداری میں کوہان پکڑ کر یہی دعا کرے)

ابن ماجہ کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک عورت سے کئی آدمی نکاح کر سکتے ہیں اس کا مطلب سوائے اسکے کیا ہو سکتا ہے کہ لونڈیوں کو یہ حق بھی نہیں دیا گیا کہ وہ باعصمت ہی رہیں چنانچہ عبد اللہ بن عمرو کی یہ حدیث ابن ماجہ میں ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس عورت کا مالک ایک آدمی نہیں ہے وہ آدمی اس کو طلاق نہیں دے سکتا"۔ یعنی جس طرح ایک غلام کے کئی مالک ہو سکتے ہیں اور ایسے غلام کو آزادی اس وقت مل سکتی ہے جب سب مالک راضی ہوں اسی طرح ایک لونڈی کئی آدمیوں کی ملکیت ہو سکتی ہے اور ہر شخص اس سے متمتع ہو سکتا ہے۔

ایام خلافت میں غیر عرب باوجودیکہ وہ مسلمان ہوے تھے عربوں کے غلام سمجھے جاتے تھے اور ان کا لقب موالی ہوتا تھا۔ یہ موالی باوجودیکہ ان کی پوزیشن وہی ہوتی تھی جیسے آریاؤں نے شودر کی کر رکھی ہے

نہایت ذہین ہوتے تھے اور اپنے علم فراست سے بہت بڑے مفتی اور مجتہد ہوئے ہیں۔ عربوں کو یہ بھی پسند نہ تھا۔ چنانچہ یہ حدیث اس ذہنیت کا پتہ دے رہی ہے۔ عبد اللہ ابن عمر کا قول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے بخوبی چلتا رہا کام بنی اسرائیل کا یہاں تک کہ پیدا ہوئے ان میں مولا لوگ اولاد ان قیدی عورتوں کی جو اور قوموں سے لوٹ کر آئی تھیں مولاؤں نے فتوے دینا شروع کیا اپنی رائے سے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا" (ابن ماجہ)

(۶) رسول اللہ صلعم نے فرمایا جو غلام نیک ہو اس کو دہرا ثواب ملتا ہے قسم اس کی جس کے ہاتھ میں ابوہریرہ کی جان ہے اگر جہاد نہ ہوتا اور حج اور ماں کے ساتھ سلوک کرتا تو میں یہ خواہش کرتا کہ غلام ہو کر مروں اور ابوہریرہ نے حج نہیں کیا اپنی ماں کی خدمت میں رہے جب تک وہ مر نہ گئیں (مسلم)

حجاج کے زمانے میں قوم زط (جاٹ) اور حبشیوں نے جو عراق میں تھے غلامی کے خلاف سخت احتجاج کیا اور سخت غدر مچایا ان کا قول تھا کہ مسلمان غلام ہو کر نہیں رہ سکتا بہت سخت کشت و خون غلاموں اور ان کے مالکوں میں ہوا آخر میں قوم زط خارج البلد کی گئی۔ ضرورت تھی کہ ایک ایسی حدیث شایع کی جاے جس سے غلاموں کو اپنی حالت پر قانع و خوش رہنے کی تلقین ہو اور ابوہریرہ ایسے پروپگنڈے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ ایک دوسری روایت میں ہے وہ غلام جو مر جاے اور اپنے مالک کی خدمت اچھی طرح کرتا ہو کیا اچھا ہے وہ"

غرض کہ حدیث اور اس سے زیادہ فقہ نے غلامی کو ایک باقاعدہ اسلامی انسٹیٹیوشن تسلیم کیا ہے اور غلام کے شکنجہ کو بجاے ڈھیلا کرنے کے اور سخت کرنے کے لیے طرح طرح کے اقوال اور اجتہاد اور قیاس اور راے اور روایت سب سے کام لیا گیا ہے۔

ممکن ہے کوئی جوشیلا اہل حدیث یہ سوال کر بیٹھے کہ تمھارے اس قول کی کیا سند ہے کہ مسلمان غلام نہیں ہو سکتا۔ کیا قرآن کی آیت موجود نہیں ہے جس کے رو سے مسلمانوں کا غلام ہونا تسلیم کیا گیا ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ
وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ
وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا
وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ
اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ
وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ
وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ
(سورۃ البقرہ ۲۲۱)

اور مشرک عورت سے نکاح مت کرو تاوقتیکہ وہ ایمان لاویں ایک مومنہ لونڈی ایک مشرک عورت سے بہتر ہے چاہے مشرک عورت تم کو مرغوب ہو اور مت نکاح کرو مشرک مرد سے جب تک ایمان نہ لاویں اور ایک غلام مومن مشرک سے بہتر ہے خواہ وہ تم کو مرغوب ہو۔ وہ لوگ تم کو جہنم کی طرف بلائینگے اور یہ لوگ جنت اور مغفرت کی طرف اسکی مرضی سے۔ اور اللہ اپنی آیات کو انسانوں کے سمجھنے کے لیے صاف صاف بتا دیتا ہے۔

پہلے اس کو سمجھ لو کہ یہ مومن غلام اور لونڈیان کون تھین جس وقت قران نازل ہو رہا تھا عرب مین بردہ فروشی کی رسم جاری تھی ہزارون انسان غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے جب عربون نے اسلام کو قبول کیا تو ان کے غلامون نے بھی اسلام قبول کیا ایسے غلامون کو فوراً اپنے اپنے مالکون کی خدمت سے آزاد کرانا کسی طرح نہ مالک کے حق مین مفید تھا نہ غلام کے اور ان کی آزادی کی دوسری صورتین تدریجاً پیدا کی گئین اگر ایک دم سے سارے غلام آزاد کر دیے جاتے تو عرب کی سوسائٹی کو سخت صدمہ پہنچتا اور اس سے تبلیغ اسلام کی دقت پڑتی ازبسکہ یہ غلام غیر عرب تھے اور عرب کو اپنے نسب و شرافت پر ناز تھا اور کفو کا ان کو بے حد خیال تھا۔ وہ اس کفو اور نسب کی خاطر سے عرب کو خواہ وہ مشرک ہی کیون نہین مومن غلام پر ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ قرآن نے کہا ہے خواہ تم کو عرب کی شرافت اور نجابت پر بٹہ لگانا پڑے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ تم مشرک کو اپنا داماد و خسر بناؤ۔ ان سے بہتر غلام عجمی ہے اگر وہ مسلمان ہے ورنہ اگر عرب کا مسلم عبد مومنہ اور امتہ مومنہ سے مراد لی جاے تو قران کو اس کے لکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی وہ تو بداہتہً مشرک عرب سے بہتر ہے۔ غرض کہ قرآن کے نزدیک نہ کوئی مسلم غلام بنایا جا سکتا ہے اور نہ فروخت کیا جا سکتا ہے اس سے خدمت لی جا سکتی ہے۔ مگر وہ اسی حیثیت سے گویا وہ خاندان کا ایک ہی فرد ہے۔

۲- اعتاق کتاب قرآن و حدیث مین

اعتاق قرآن کی کوئی خصوصیت نہین۔ بنی اسرائیل کی شریعت مین بھی اعتاق تھا۔ چنانچہ یہودیون مین غلام ساتوین سال خود بخود آزاد ہو جاتا تھا قرآن کی جو خصوصیت ہے وہ یہ ہے کہ اس نے جنگ کے قیدیون کو غلام بنانے سے منع کیا ہے اور یہ وہ خصوصیت ہے جو اور مذہب مین نہیں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ سورہ محمد مین ارشاد ہوتا ہے۔

فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤی اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا

پس جب لڑائی مین کفار سے تمھارا مقابلہ ہو تو ان کی گردن مارو یہانتک کہ تم ان پر غالب آجاؤ اور اس کے بعد یا تو اسیرون کو احسان رکھکر چھوڑ دو اور یا ان سے فدیہ لیلو یعنی تا اختتام جنگ

اگر یہ قرآن کی آیت ہے اور حسب معمول اس مین کوئی پیچ نہین ہے تو معنی بالکل صاف ہین یعنی اسیرون کو نہ قتل کر سکتے ہو اور نہ فروخت کر سکتے ہو اور نہ اپنا غلام بنا سکتے ہو۔ ان کو رہا کر دو احسان رکھ کر یا فدیہ لے کر قیدیون کے لیے اور کوئی صورت نہین ہے پس جہان تک مسلمانون کی جنگ کا تعلق تھا غلامی کا بالکل سد باب قرآن شریف نے کر دیا البتہ اسلام کے باہر جو جنگین قومون مین جاری تھین اور اس کا نتیجہ غلامون کی خرید و فروخت مین پیدا ہوا تھا اس کے لیے مسلمانون کو ہدایت ہے کہ

۱- غلامون کو آزاد کر دین اور عنداللہ ماجور ہون۔

۲- اپنی بدیون کے کفارے مین غلام کو آزاد کر دین۔

۲- غلام سے کتابت کر لین۔

پہلی صورت

۱- فک رقبۃ او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ یتیما ذا مقربۃ او مسکینا ذا متربۃ (البلد)

گردن کا غلامی سے چھڑانا یا بھوک کے دن خصوصاً جبکہ وہ اپنا رشتے دار ہو یا محتاج خاک نشین کو کھلانا

۲- واتی المال علیٰ حبہ ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب (بقرآیت ۱۷۷)

اور اپنے مال کو اس کی رضامندی کیلیے دیتے ہین رشتہ دارون کو یتیمون کو مساکین کو فقرا کو اور قیدیون کو چھڑانے کو

دوسری صورت

۱- لا یواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یواخذکم بما عقدتم الایمان فکفارتہ اطعام عشرۃ مسٰکین من اوسط ما تطعمون اھلیکم او کسوتھم او تحریر رقبۃ (المائدہ)

تمھاری قسمون مین جو بے پردہ ہین ان پر تو خدا تم سے کچھ مواخذہ نہین کرتا، ہان پکی قسم کے توڑنے پر خدا تم سے مواخذہ کریگا تو اسکا کفارہ دس مسکینون کو متوسط درجے کا کھانا کھلا دینا ہے جیسا تم اپنے اہل و عیال کو کھلایا کرتے ہو یا ایک بردہ کو آزاد کر دینا۔

۲- والذین یظاھرون من نسائھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا ذٰلکم توعظون بہ واللہ بما تعملون خبیر (المجادلہ)

اور جو لوگ اپنی بیویون سے ظہار کرتے ہین پھر لوٹ کر وہی کلام کرنا چاہتے ہین جس کو کہہ چکے ہین تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے مرد کو ایک بردہ آزاد کرنا چاہیے تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور تو جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ کو اس کی سب خبر ہے۔

اس سے کہ خدائے تعالےٰ نے غلام کے آزاد کرنے کو ایک جرم کا کفارہ یعنی جرمانہ قرار دیا ایک ادا شناس سمجھ سکتا ہے کہ لونڈی غلامون کے بارے مین خدا کو کیا منظور رہے اور وہ سوائے اسکے نہین ہے کہ خدا اپنے بندون مین سے کسی کو قید غلامی مین رکھنا پسند نہین کرتا۔

تیسری صورت

والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا واتوھم من مال اللہ الذی اتٰکم بہ (نور)

اور تمھارے غلامون مین سے جو کتابت کے خواہان ہون تو تم ان سے مکاتبت کر لیا کرو بشرطیکہ تم ان مین بہتری کے آثار پاؤ اور مال خدا مین سے جو اس نے تم کو دے رکھا ہے انکو دیتے رہو

قرآن کے الفاظ صاف و صریح ہین یعنی غلام کا حق ہے کہ وہ آزادی حاصل کرنے کے لیے اپنے مالک کو اپنی قیمت ادا کر دے مالک انکار نہین کر سکتا بلکہ اس پر فرض ہے کہ ایسے غلامون کی مالی مدد بھی کرے۔

کیا تم کہہ سکتے ہو کہ قرآن پر عمل کرنے والا غلامی کے قریب بھی جا سکتا ہے مگر افسوس کہ مسلمانون نے قرآن پر عمل کرنا

بنوت سے سو برس کے اندر ہی ترک کر دیا فقیہ اور فریسیوں کا زمانہ آیا اور انھوں نے قران کے ساری زرین اصول پر پانی پھیر دیا۔ حدیث و فقہ مین غلامی ایک باضابطہ مضمون ہے اور اس مین طرح طرح کے نکات حل کی گئی ہیں مگر اس حقیقت پر کہ بردہ فروشی جائز ہے یا نہین اس پر ایک لفظ نہین کہا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج تک عالم اسلام خصوصاً عرب اور حجاز اس لعنت سے سبکدوش نہین ہوا۔ آخری صدی کا عربون کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ افریقہ مین غلامون کو جانورون کی طرح گرفتار کرتے ہین ڈاکے سے یا چوری سے اور جہازون مین بھر کر عرب مین لے آتے ہین اور وہان ان کو بیچ ڈالتے ہین اور یہ عین رسول اللہ صلعم کے مزار اقدس اور کعبہ کے سایہ مین ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ ہماری بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے۔ آج جو ہم سے سلطنت چھین گئی ہے تو اس لیے نہین کہ خدا کا فرمودہ ان الارض یرثہا عبادی الصالحین غلط ہے نعوذ باللہ بلکہ صالحین ہمارے حاجی اور نمازی نہین ہین بلکہ وہ قومین ہین جو آج زمین کی وارث ہین۔ جن کی وجہ سے غلامی کی لعنت بند ہوئی ہے۔ مین چند حدیثون پر اکتفا کرون گا جو قلب مسلم کو بریان کرنے کے لیے کافی ہین۔

۱۔ عبداللہ بن عمر نے کہا رسول اللہ صلعم نے فرمایا جو غلام مکاتب کیا جائے سو اوقیہ پر پھر وہ سب ادا کر دے مگر ایک اوقیہ اس کے ذمے رہ جائے تو وہ غلام ہی رہے گا۔ (ابن ماجہ)

اپنے پاس سے غلام کو مال دینے کا کیا سوال!

۲۔ اسماء بنت ابی بکر کی روایت ہے مین زبیر کے گھر مین کام کرتی تھی ان کا ایک گھوڑا تھا تو اُس کی بھی خدمت کرتی پھر مجکو ایک لونڈی ملی رسول اللہ صلعم کے پاس قیدی آئے آپ نے مجھ کو بھی ایک لونڈی دی وہ گھوڑے کا سارا کام کرنے لگی اور یہ محنت میرے اوپر سے اس نے اٹھالی۔ پھر میرے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا اے ام عبداللہ مین ایک محتاج آدمی ہون میرا یہ ارادہ ہے کہ تمھارے دیوار کے سایے مین دوکان لگاؤن مین نے کہا اگر مین تم کو اجازت دون تو ایسا نہ ہو کہ زبیر خفا ہون، تو ایسا کر جب زبیر موجود ہون تو انکے سامنے مجھ سے کہہ وہ آیا اور کہنے لگا۔ اے ام عبداللہ مین ایک محتاج آدمی ہون مین چاہتا ہون تمہارے سایے مین دوکان کر دون، مین نے کہا تجھے مدینے بھر مین کوئی اور گھر نہین ملتا۔ سوائے میرے گھر کے، زبیر نے کہا اسماء تم کو کیا ہوا تم فقیر کو منع کرتی ہو، بیچنے سے پھر وہ دوکان کرنے لگا یہان تک کہ اس نے روپیہ کمایا وہ لونڈی مین نے اس کے ہاتھ بیچ ڈالی جس وقت زبیر میرے پاس آئے تو اس کی قیمت کے پیسے میری گود مین تھے۔ زبیر نے کہا پیسے مجھے ہبہ کر دو، مین نے کہا مین فدیہ دے چکی ہون (مسلم)

۳۔ رسول اللہ صلعم نے   کے دن ایک لشکر روانہ کیا اور وہ لوگ دشمن سے مقابل ہوے اور ان سے لڑے اور غالب آئے اور ان کی عورتین قید کر لائے۔ بعض یارون نے رسول اللہ صلعم کے آگے سے صحبت کرنے کو برا جانا

اس وجہ سے کہ ان کے شوہر مشرک بھی موجود تھے سو اللہ تعالےٰ نے یہ آیت اتاری والمحصنات من النسآء الا ما ملکت ایمانکم۔ (مسلم روایت ابو سعید خدری)

نوٹ:۔ یہ آیت سورہ نسا کی ہے اور مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ سورہ جنگ احد کے بعد نازل ہوئی ہے، خود سورہ نسا میں جنگ احد کا ذکر اس طرح ہے کہ اس سے بھی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے مگر مین نے اپنی کتاب تجزیۃ القرآن مین دکھلایا ہے کہ یہ سورہ مختلف زمانے کی سورتون کا مجموعہ ہے یعنی وہ رکوع جس مین تعدد ازدواج کی تجدید ہے وہ تو یقیناً فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے ورنہ رسول اللہ صلعم کا چار سے زائد نکاح کرنا خلاف امر قرآن ہوتا رکوع ۲ مین یتیم کا ذکر ہے اور یتیم کی اجازت ۵ ہجری مین ہوئی ہے اسی طرح رکوع ۳ مین زانیہ عورت کے قید کرنیکا ذکر ہے جو سورہ نور کے حکم کے قبل کا حکم ہے رکوع ۴ مین میراث کا حکم ہے وہ بھی تیسری ہجری کا حکم ہے آیت جس کا حوالہ دیا گیا ہے سیاق عبارت سے جنگ احد کے بعد کا حکم ہے اور یہ ہی رائے نولدکی کی ہے تو یہ غلط ہوا کہ اوپر کی آیت جنگ حنین مین نازل ہوئی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت مین کہین اسکا اشارہ بھی نہین پایا جاتا کہ جو عورتین جنگ مین گرفتار ہون ان سے بدفعلی مباح ہے کیونکہ اس آیت کے بعد ہی اس کی پوری صراحت اسطرح ہے

ومن لم یستطع منکم طولا ان ینکح المحصنت المومنت فمن ما ملکت ایمانکم من فتیتکم المومنت واللہ اعلم بایمانکم بعضکم من بعض فانکحوھن باذن اھلھن واتوھن اجورھن فریضۃ الخ

یعنی شادی شدہ عورتین جو تمہارے قبضے مین آگئی ہین اگر وہ خوشی سے مسلمان ہو جائین تو وہ ان کے کافر شوہرون کو واپس نہ ہونگی بلکہ ان کا نکاح اپنے شوہرون سے ساقط ہو جائیگا اور مسلمان ان کے وارثون کی اجازت سے ان سے نکاح کر سکتے ہین مگر دیکھو تو قرآن پر کتنا بڑا اتہام اس حدیث نے لگایا ہے

۴۔ جابر کی روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بردے کو بعوض قرض بیچا جس کو اسکا مالک اپنے مرتے وقت آزاد کر گیا تھا۔ (مسلم ابن ماجہ)

دوسری روایت مین ہے کہ ایک شخص نے ہم مین سے ایک غلام کو مُدبّر کیا اور اس کے پاس کچھ دوسرا مال نہ تھا آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو بیچا، ابن جو بنی عدی مین سے ایک شخص تھا اس نے خریدا اسکے اسناد میں علی بن الحیان ضعیف ہے۔ نووی نے کہا جمہور علما کا قول یہ ہے کہ مُدبّر بیچا نہ جائیگا اور اسکی بیع جائز نہین اور یہ قول امام ابو حنیفہ اور مالک ابن انس کا بھی ہے۔ شافعی نے جابر کی اسی سند سے مُدبّر کا بیچا جانا جائز ٹھہرایا ہو جبکہ اسکا مالک بالکل محتاج پڑا ہو۔

۵۔ جابر کی روایت ہے، ہم اپنی لونڈیون کو اور ام ولد کو بیچا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم مین موجود تھے اور ہم کوئی قباحت اس مین نہین پاتے تھے۔ (ابن ماجہ)

۶۔ جابر کی روایت ہے ایک غلام آیا اس نے آنحضرت صلعم سے بیعت کی ہجرت پر اور آپکو معلوم نہ ہوا کہ یہ غلام ہے پھر اس کا مالک آیا اس کو ڈھونڈھتا ہوا آپ نے اس سے فرمایا اس غلام کو میرے ہاتھ بیچ ڈال۔ پھر آپ نے اس غلام کو خرید ا دو کالے غلام دے کر بعد اس کے آپ نے کسی سے بیعت نہ لی جبتک آپ دریافت نہ فرمالیتے کیا وہ غلام ہے

وعلیٰ ھٰذا القیاس (حق گو)

دو نئی کتابین

نقاب اٹھ جانیکے بعد حضرت نیاز فتحپوری کے ان افسانون کا مجموعہ جن مین بتایا گیا ہے کہ ہر وہ چیز جو چمکتی ہے سونا نہین" حضرت نیاز کا مخصوص انداز تحریر اور زور قلم ان افسانون مین بدرجہ کمال نظر آتا ہے جا بجا وہ مزاحیہ رنگ جو جناب نیاز کی تحریر کی خصوصیت ہے عجیب لطف دیتا ہے قیمت مع محصول ۸؎

لالہ رخ طامس مور کی اس معرکۃ الآرا مثنوی کا ترجمہ نگار کے اول سال اشاعت مین بالاقساط شایع ہو کر جستی قبولیت حاصل کر چکا ہے وہ کسی سے مخفی نہین ایک تو طامس مور کی نزاکت خیال اور اسپر ملک کے ادیب جلیل جناب لطیف احمد اکبر آبادی کا ترجمہ جتنی بھی تعریف کی جاے کم ہے اس کتاب مین چار افسانے ہین (۱) ابن مقنع (۲) بہشت اور پری (۳) آتش پرستاران فارس (۴) نور محل۔ اور ہر افسانہ اپنی جگہ نزاکت خیال اور شاعرانہ تخیل کا ایک ایسا بے مثل نمونہ ہے کہ مشکل ہی سے اسکی نظیر مل سکتی ہے اور جسکو پڑھکر انسان پر سکر کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے قیمت مع محصول عہ

نوٹ:۔ دونون کتابین ایک ساتھ طلب کرنے پر مع محصول عہ مین مل سکتی ہین **مینجر نگار لکھنؤ**

ضرورت عقد

ایک ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کے سنی المذہب زمیندار کو جس کی عمر تقریباً چالیس سال و آمدنی دو ہزار روپیہ سالانہ ہے کسی سنی المذہب بیوہ سے جس کی عمر پچیس ۲۵ سال سے کم نہو اور جو دیہات کی زندگی کی عادی ہو رشتہ عقد کی ضرورت ہے۔ خط و کتابت بصیغۂ راز رہے گی

ح۔ معرفت ایڈیٹر صاحب نگار لکھنؤ

ایثار

سلیمہ مین بظاہر نہ کوئی حسن و جمال تھا نہ کوئی خاص ادا ایسی جو کسی کو اپنی طرف متوجہ کر سکے لیکن جعفر کی گرویدگی اس کی طرف برابر بڑھتی جاتی تھی اور اس قدر سکون وخاموشی کے ساتھ کہ غریب سلیمہ کو بھی اس کی خبر نہ تھی

سلیمہ اور جعفر دونون کے خاندان ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ تھے اور جب تک جعفر کے بڑے بھائی احمد کی شادی سلیمہ کی بہن سے نہ ہوئی تھی کسی کے وہم وگمان مین بھی نہ تھا کہ کبھی یہ دونون خاندان اس طرح باہم مل جائین کے شادی کے بعد عرصے تک جعفر کو سلیمہ کے دیکھنے کا موقع نہین ملا کیونکہ اول تو سلیمہ بورڈنگ مین رہتی تھی اور اگر کبھی تعطیل کے زمانے مین گھر آتی تھی تو قصداً ایسے موقعون کو بچا جاتی کہ جعفر کا اور اس کا سامنا ہو ——— آنچل کی اوٹ برقع کا نقاب، کواڑ کی آڑ، چلمن کا پردہ، یہ وہ تمام ذرائع تھے جن سے سلیمہ اپنے آپ کو چھپانے مین کامیاب ہو جاتی لیکن آنچل کی اوٹ کرتے ہوے کہنی تک کھلے ہوے ہاتھون کا نظر آجانا یا ان دو نازک پتلی انگلیون کا جن سے آنچل کی گرفت کی جاتی ہے نگاہون کے سامنے آجانا یا برقعہ کے اندر ہی چلتے پھرتے اس کے سڈول چھریرے بدن کا ایک مجسمہ کی طرح بے اختیارانہ ذہن مین مرتسم ہو جانا یہ وہ تمام باتین تھین جو بغیر سلیمہ کے علم کے جعفر کے دل مین آہستہ آہستہ گھر کرتی جارہی تھین اور وہ بعض اوقات بے اختیار ہو جاتا تھا کہ کیونکر وہ اس چیز کو بے نقاب دیکھے جس نے پردے ہی پردے مین اس کی زندگی کا ایک نیا ورق الٹ دیا تھا۔

وہ کبھی کبھی دور سے اس کی آواز سنتا اور بے چین ہو جاتا۔ کیونکہ اس مین وہ ایک خاص نرمی اور لچک محسوس کرتا عجیب قسم کی موسیقی اس مین پنہان نظر آتی اور وہ سوچا کرتا کہ اگر سلیمہ نے کبھی اس آواز کے ساتھ اس سے خطاب کیا تو اس کی کیا حالت ہوگی۔ وہ صحن مین یا ادھر ادھر گذرتے دور سے اسے چلتا پھرتا دیکھتا تو کلیجہ مسوس کر رہ جاتا کہ ہائے یہ کشیدہ قامتی یہ سانچہ مین ڈھلی ہوئی رعنائی یہ ہنس کی سی لانبی گردن جو باوجود چھپائے جانے کے ہر ہر قدم پر کھلی پڑتی ہے کیا واقعی مین اسکا مطالعہ کبھی قریب سے نہین کر سکتا اور اگر کوئی صورت ایسی پیدا ہو گئی تو مین کس طرح اپنے جسم کی تھرتھری کو چھپا سکون گا

ادھر جعفر کی یہ کیفیت ادھر سلیمہ کا یہ حال تھا کہ یون چاہے وہ کتنی ہی آزادی کے ساتھ گفتگو کر رہی ہو مگر جو ہین جعفر آیا اور وہ خاموش ہوئی۔ جہان اس نے جعفر کے آنے کی آہٹ سنی اور اس نے کسی نہ کسی صورت سے اپنے آپ کو چھپایا، اگر بیٹھی ہوئی کرسی پر کتاب دیکھ رہی ہے تو کتاب کو چہرے کے سامنے کر لیا۔ کتاب نہین تو آنچل ہی کی آڑ کر لی اور پھر فوراً اٹھ کر اندر چلی گئی۔

جعفر رات رات بھر آنکھ بند کیے اس صورت سے کاٹ دیتا کہ سلیمہ اس کے سامنے کھڑی ہے اور یہ اس کو غور سے دیکھ رہا ہے وہ بیٹھی ہوئی ہنس رہی ہے اور یہ اس کے جسم کی جنبش کا مطالعہ کر رہا ہے وہ باتین کر رہی ہے اور یہ اس کی حلاوت سے لطف اٹھا رہا ہے ـــــ اس کی یہ کیفیت سلیمہ کی ادائے احتراز کی نسبت سے برابر بڑھتی جارہی تھی اور کبھی کبھی وہ اس اندیشے سے کانپ اٹھتا تھا کہ کہین سلیمہ کو اس سے نفرت تو نہین ہے۔

سلیمہ کی عمر اس وقت اٹھارہ سال کی تھی اور زنانہ مشن کالج مین ایف۔ اے کی تعلیم حاصل کر رہی تھی بورڈنگ ہی مین رہتی تھی اور ایام تعطیل بسر کرنے اپنی بہن کے پاس آجاتی کیونکہ والدین کا انتقال ہو چکا تھا اور سوائے بہن کے کوئی گھر ایسا نہ تھا جہان وہ زمانۂ رخصت بسر کرتی۔ یہی وجہ تھی کہ سال مین کئی بار جعفر کو اس کی معیت کا موقعہ ملتا اور ہر بار سلیمہ پر دے ہی پردے مین اس کی آگ اور زیادہ بھڑکا جاتی۔

ہر چند یہ بات جعفر کے کانون مین پڑ چکی تھی کہ سلیمہ حسن و جمال سے عاری ہے اس کے نقشہ مین کوئی بات دلکشی کی نہین اور اس حد تک تو خود اس کا بھی مشاہدہ تھا کہ اس کا رنگ کافی سے زیادہ سانولا تھا لیکن با این ہمہ جعفر کا تعلق خاطر برابر بڑھتا ہی جارہا تھا اور ایک بے جانی بوجھی عالم خیال کی دیوی کی طرح اس کی پرستش کیا کرتا تھا،

ایک زمانہ اسی حال مین گذر گیا نہ جعفر کو کوئی موقعہ اس سے گفتگو کرنے کا ملا اور نہ وہ کبھی اس کے سامنے بےحجاب ہوئی دسمبر کا مہینہ تھا اور کرسمس کی تعطیلون مین سلیمہ کو آئے ہوے ابھی صرف دو دن ہوے تھے کہ شاہدہ اسکی بہن دفعتہً تپ مین مبتلا ہوئی اور ۴۸ گھنٹے کے اندر اس کی حالت اس قدر ردی ہوگئی کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ اس اضطراب اور تیمار داری کے سلسلہ مین اس طرف سلیمہ کو یہ ہوش نہ تھا کہ جعفر کب آتا ہے اور کس حال مین اسے دیکھ جاتا ہے اور ادھر جعفر کو موقعہ مل گیا کہ وہ اسے قریب سے دیکھے اور بے حجاب دیکھے کیونکہ یہ دونون تیمار داری مین مصروف تھے اور اگر شاہدہ سلیمہ کی بہن تھی تو جعفر کی بھاوج تھی اسلیے کسی کو یہ کہنے کا موقع تھا کہ ان دونون کا اجتماع مناسب نہین۔

جعفر اپنی بھاوج کو دوا پلا رہا ہے اور سلیمہ پان لیے کھڑی ہے سلیمہ اپنی بہن کو سہارا دے کر اٹھا رہی ہے اور جعفر سامنے پانی کا گلاس لیے ہوے موجود ہے۔ وہ سر داب رہا ہے اور یہ تلوے سہلا رہی ہے یہ جسم کا پسینہ پوچھ رہی ہے اور وہ کلائی پر ہاتھ رکھے نبض دیکھ رہا ہے، الغرض شاہدہ کی بیماری مین سلیمہ کا پردہ ٹوٹ کر رہا گو حجاب و احتراز اپنی حالت پر قائم تھا اول تو جعفر مین یہ جرأت نہ تھی کہ وہ اسے مخاطب کرتا لیکن اگر کبھی مجبوراً یا بے اختیارانہ طور پر تیمار داری کی ضرورت سے کوئی بات کرتا بھی تو ادھر سے جواب نہ ملتا اور یہ اپنی جگہ شرمندہ ہو کر رہجاتا۔

اس سے سلیمہ کی صورت کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا تھا وہ اسے بالکل غلط نظر آتا تھا۔ یقیناً اس کا رنگ سانولا تھا۔ لیکن اس کے خد و خال چشم و ابرو مین خاص قسم کی کشش پائی جاتی تھی اور رعنائی تو اس کے ہر ہر عضو اور ایک ایک ادا سے اسطرح ظاہر ہوتی تھی گویا اس کی ہستی کا خمیر ہی اس سے ہوا ہے، اگر کبھی دونون کی نگاہون کا اتفاقیہ تصادم ہوجاتا تو سلیمہ فوراً

نگاہیں نیچی کرلیتی۔ اور گردن موڑ کر وہ کسی اور ایسے شغلہ مین لگ جاتی کہ یہ روگردانی بالکل فطری اور ناگزیر معلوم ہوتی۔
ایک ہفتہ مسلسل شاہدہ کی علالت کو ہوگیا اور روزانہ اس کی حالت ابتر ہونے لگی۔ سلیمہ حد درجہ ملول رہتی اور واقعہ یہ ہے کہ اس حزن و ملال نے اس کی دلکشی مین اور اضافہ کر دیا تھا جو نہایت شدت کے ساتھ جعفر کو بے تاب بنائے ہوئے تھا۔ آخر کار وہ وقت آیا جس کے خیال سے ہر شخص کانپ رہا تھا اور شاہدہ چھ ماہ کی ایک بچی چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہوگئی۔ سب سے آخری الفاظ جو اس کے منہ سے نکلے یہ تھے کہ ــــ سلیمہ میری بچی اب تمہارے سپرد ہے۔

گذشتہ واقعہ کو دو ماہ کا زمانہ گذر گیا ہے اور سلیمہ بورڈنگ چھوڑ کر جعفر ہی کے مکان مین آگئی ہے اور اپنے اوقات کا اکثر حصہ شاہدہ کی معصوم بچی کی پرورش مین صرف کر رہی ہے ہر چند ایک دایہ ملازم رکھ لی گئی ہے جو سلیمہ کے اوقات کالج مین بچی کی نگرانی کرتی ہے۔ لیکن سلیمہ پوری طرح مطمئن نہین ہے اور وہ حیران ہے کہ کیونکر اپنا سارا وقت اس پر صرف کر سکے۔ لیکن سب سے زیادہ خیال اسے یہ ہے کہ جعفر کے گھر مین یون رہنا اور اپنے مصارف کا بار اس پر ڈالنا کوئی معنی نہین رکھتا۔ دنیا اور اس کی رائے زنی کی تو خیر اسے چندان پرواہ نہ تھی لیکن خود اس کی غیور طبیعت اسکو گوارا نہ کرتی تھی کہ آخر کب تک یہ صورت یونہی قائم رہ سکتی ہے جب کہ بچی کی پرورش کے لیے مستقلاً برسون کا زمانہ درکار تھا
ــــ ایک دن وہ انھین معاملات پر غور کر رہی تھی کہ آخر کار اس نے آخری فیصلہ کر کے جعفر کو خط لکھا:۔
بھائی صاحب۔ مجھے معلوم ہے کہ آپ کو اس ناگہانی جدائی کا سخت صدمہ ہوا ہے اور یقیناً آپ جتنا بھی سوگ کرین کم ہے لیکن اب غالباً اس سے زیادہ اہم سوال اس امانت کی حفاظت کا ہے جو مرحومہ سپرد کر گئی ہین۔
اس مین شک نہین کہ آپ اپنی ساری کوشش بچی کی پرورش کے لیے کر رہے ہین۔ لیکن جہان تک اولاد کی ابتدائی پرورش و تربیت کا تعلق ہے مرد بڑی حد تک مجبور ہے اور اس کے ایسے ہاتھون کی ضرورت ہے جو نسبتاً زیادہ نرم ہون مین گذشتہ دو ماہ مین اپنی ساری کوشش صرف کر نیکے بعد اس نتیجے پر پہنچی ہون کہ شاید یہ فرض مجھ سے پوری طرح ادا نہو کیونکہ اول تو میرے وقت کا کافی حصہ تعلیم مین بسر ہوجاتا ہے اور علاوہ اس کے یون بھی آپ سمجھ سکتے ہین کہ میرا مستقلاً آپ کے یہان قیام کرنا اب کوئی معنی نہین رکھتا۔ بہر حال اب زیادہ انتظار مناسب نہین اور مین آپکو مشورہ دونگی کہ جس قدر جلد ممکن ہو اس اجڑے ہوئے گھر کو آباد کیجیے اور میرے ضمیر پر جو غیر معمولی بار ہے ہلکا کر کے ممنون فرمائیے
سلیمہ

یہ خط لکھ کر وہ تو کالج چلی گئی اور ادھر احمد اس خط کو پڑھ کر عجیب کشمکش مین مبتلا ہوگیا اس نے خیال کیا کہ سلیمہ کا مقصود اس سے غالباً خود اپنے آپ کو پیش کرنا ہے اور یقیناً ایک بھانجی کی پرورش کے لیے خالہ سے زیادہ موزون ہستی اور کون ہوسکتی ہے لیکن وہ سلیمہ کے ساتھ نکاح کرنے پر مشکل ہی سے اپنے آپ کو آمادہ پاتا تھا کیونکہ اسے کوئی لگاؤ اسکے ساتھ

نہ تھا اور وہ ڈرتا تھا کہ مبادا اس ازدواج کا انعام اچھا نہ ہو اور امن و سکون کی تلاش مین اور زیادہ اضطراب نہ بڑھجائے

وہ دیر تک سوچتا رہا اور اپنے بھائی جعفر کو بلا کر سلیمہ کا خط دیا اور بولا کیون جعفر تمھاری کیا راے ہے

اس خط کو دیکھ کر جعفر کی جو کیفیت ہوئی اس کا اندازہ مشکل ہے۔ اس نے ایسا محسوس کیا گویا گرم لوہے سے کسی نے اس کے قلب کو داغ دیا ہے اور آنکھون کے سامنے سے پردہ ہٹا کر کوئی نہایت ہی مہیب منظر پیش نظر کر دیا ہے

—— وہ خط واپس دے کر وہان سے اٹھا گویا اس جذبہ کے ساتھ کہ جا کر اس کی سہری سے سر ٹکرا کر مر جائے جس پر سلیمہ رات کو سوتی ہے۔ احمد نے اسکو روک کر دریافت کیا کیون تم نے اپنی راے نہین بتائی ——

اس نے کہا کہ مین کوئی راے نہین دے سکتا۔ لیکن کیا آپ کو یقین ہے کہ سلیمہ نے اپنے ہی آپ کو پیش کرنا چاہا ہے

احمد "یقیناً، کیا تمھین اس سے اختلاف ہے"

جعفر "ممکن ہے ایسا ہی ہو مگر ہان آپ نے تو ہمیشہ یہی کہا ہے کہ وہ صورت شکل کے لحاظ سے سارے خاندان سے اتری ہوئی ہے پھر آپ اس تعلق کو کس طرح گوارا کرین گے"۔

احمد یہ سچ ہے کہ مجھے سلیمہ سے کوئی رغبت نہین لیکن اب تو بڑا سوال بچی کی پرورش کا ہے اور ظاہر ہے کہ سلیمہ سے بہتر اس خدمت کو کون انجام دے سکتا ہے

جعفر یہ سنکر بغیر کوئی جواب دیے ہوے احمد کو اپنی جگہ خیالات مین غرق چھوڑ کر وہان سے ہٹ گیا۔

سلیمہ کا یہ معمول تھا کہ زیادہ سے زیادہ پانچ بجے شام تک گھر آجاتی اور چاے یہین آکر پیتی لیکن آج اسکو غیر معمولی دیر ہو گئی ہے۔ احمد اور جعفر دونون انتظار مین بیٹھے ہوے ہین لیکن بالکل خاموش۔

اس وقت احمد اور جعفر دونون کے سامنے سلیمہ کی تصویر ہے لیکن احمد اس مین محاسن کی جستجو کر رہا ہے تاکہ وہ اسے قبول کرنے کے لیے دل کو رضامند کر سکے اور جعفر کوشش کر کے اس کی برائیان ڈھونڈھ رہا ہے کہ کسی طرح دل اس سے متنفر ہو جائے

جب شام کو ۶ بجے تک سلیمہ نہ آئی تو احمد سمجھ گیا کہ وہ غالباً اب نہ آئے گی جب تک اس خط کا جواب نہ پہنچ جائیگا اور وہ اسی خیال مین محو تھا کہ اندر سے بچی کے رونے چیخنے کی آواز آئی اور تھوڑی دیر کے لیے وہ اپنے تمام مصالح اور رجحانات قلب و دماغ کو بھول گیا۔ اس نے اسی وقت سلیمہ کو خط لکھا:۔

آپ کا خط ملا اور مین بھی غور کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا کہ جلد سے جلد اس گھر کی ملکہ کسی کو بنا دینا ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ آپ سے بہتر اس خدمت کو اور کون انجام دے سکتا ہے۔ تاریخ و وقت کی تعیین بھی اب آپ ہی کے سپرد ہے جس طرح مین اور میرا سب کچھ —— آج آپ اسوقت تک نہین آئین حالانکہ زکیہ دیر سے رو رہی ہے اور کسی طرح خاموش نہیں ہوتی،

سلیمہ کے نہ آنے کا سبب صرف یہ تھا کہ شام کو کالج مین کوئی جلسہ ہونے والا تھا اور اس مین اس کی شرکت ضروری تھی وہ فارغ ہونے کے بعد واپس جانا ہی چاہتی تھی کہ احمد کا یہ خط اسے ملا اور دیکھتے ہی وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ جس وقت اس نے احمد کو خط لکھا تھا اس کے ذہن مین بھی یہ بات نہ تھی کہ معاملہ یہ صورت اختیار کرلے گا، اس نے نہایت ہی سادگی سے اپنے کسی ذاتی جذبہ کو شامل کیے ہوئے بغیر مشورہ احمد کو دیا تھا اور اب وہ اس خیال سے عرق عرق ہوئی جارہی تھی کہ اس کی تحریر کو خود اس کی خواہش سمجھا گیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ احمد اپنے دل مین اس کو کس قدر بے باک سمجھتا ہوگا اور اس کا یہ فعل کس قدر نسوانی غیرت و شرم کے خلاف خیال کیا گیا ہوگا۔ جس وقت اس نے اپنی تحریر کے الفاظ پر غور کیا تو وہ بھی کہ احمد کو واقعی یہی نتیجہ اس سے نکالنا چاہیے تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کیون اس پر راضی ہوگیا۔ کیا اس لیے کہ مجھ سے اس کو محبت ہے، نہین یہ تو ممکن نہین غالباً صرف زکیہ کے خیال سے یقیناً یہ وجہ کافی ہے کہ وہ بغیر محبت کیے ہوئے بھی مجھے گوارا کرسکے ——— مگر سوال یہ ہے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے ——— کیا نکاح کا تعلق صرف محبت جنسی سے ہے اور اس مین کوئی انسانی ہمدردی شامل نہین۔ اگر یہ سوسائٹی کا کوئی قانون ہے تو کوئی وجہ نہین کہ اس کی بنیاد انسانیت و نظام تمدن کے علاوہ کسی ایسے جذبہ پر قائم کیجائے جو بالکل عارضی چیز ہے۔ ہرچند احمد سے مجھے محبت نہین لیکن ہمدردی تو ہے پھر ممکن ہے کہ وہ بھی مجھ سے ہمدردی رکھتا ہو اور کیا نکاح کے لیے اس سے زیادہ کسی اور چیز کی ضرورت ہے۔ پھر اس کے علاوہ یہان تو سوال ایک اور معصوم جان کا بھی ہے جس کی حفاظت میرے سپرد کی گئی ہے۔ یقیناً مجھسے زیادہ شفقت اور کون اس پر صرف کرسکتا ہے بلکہ اگر میرے علاوہ کسی اور کو یہ خدمت سپرد کی گئی تو اندیشہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئے اُسے کے کیا غرض ہے کہ اس سے محبت کرے

نسیمہ نے آخر کو جواب مین لکھدیا کہ

گو میرے پہلے خط کا یہ منشا نہ تھا لیکن اب غور کرنے کے بعد مین نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ زکیہ کو کسی اور کی آغوش مین سونپنا مناسب نہین ہے

سلیمہ کو احمد کے عقد مین آے ہوے کئی مہینے گذر چکے ہین اور دونون امن و سکون کی زندگی بسر کر رہے ہین گو شوق و ولولہ کی نہین ——— سلیمہ نے اپنی تعلیم کا سلسلہ ختم کرکے زکیہ کی پرورش کو اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے لیا ہے اور احمد بھی اس طرف سے مطمئن ہوکر گھر سے باہر پوری داد عیش دے رہا ہے سو وہ اگر کبھی رات رات بھر نہین آتا تو سلیمہ کو اس سے شکایت نہین ہوتی اور اگر کبھی دن دن بھر گھر ہی مین گذار دیتا ہے تو شکریہ ادا نہین کرتی۔ انکی خانگی زندگی بالکل مشین کی سی زندگی ہے جس کو ادائے فرض کے علاوہ کسی اور چیز سے واسطہ نہین

جعفر شادی کے دوسرے ہی دن اپنے بھائی کے مکان سے چلا گیا تھا۔ جب وہ جانے لگا تو سلیمہ نے اُسے رُوکا

اور غالباً اس کی زندگی کا یہ پہلا واقعہ تھا سلیمہ نے آنکھ سے آنکھ ملا کر اس سے گفتگو کی مگر چونکہ صدمہ غیر معمولی تھا اس لیے وہ صرف یہ کہہ کر خاموش ہوگیا کہ "اب آپ کیوں رو رہی ہیں" سلیمہ نے لفظ آپ پر غور کیا نہ اس کی برہمی کا سبب معلوم کرنے کی کوشش کی بلکہ جب وہ جانے پر آمادہ ہی ہوگیا تو اس نے اس کا اسباب باندھنے میں مدد دی اور چلتے وقت "خدا حافظ" کہکر پھر اسی طرح اپنے مشاغل میں مصروف ہوگئی گویا کہ جعفر کبھی یہاں رہتا ہی نہ تھا اور اسکا چلا جانا کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتا جعفر چلتے وقت احمد کو ایک خط کے ذریعے سے اپنی تمام داستان عشق و محبت سنا گیا تھا لیکن نہ احمد نے اس کا ذکر کبھی سلیمہ سے کیا اور نہ سلیمہ نے اس سے دریافت کیا کہ جعفر کی برہمی کا کیا سبب تھا۔

جب ایک ماہ کے بعد جعفر کا خط سلیمہ کے نام آیا اور اس میں اس نے اپنی تمام داستان محبت دہرا کر اپنے چلے آنیکے اسباب ظاہر کیے تو سلیمہ کو سب سے پہلی مرتبہ تمام واقعات کا علم ہوا۔ خط پڑھ کر پہلے تو وہ دیر تک دل ہی دل میں ہنستی رہی اور پھر اس خیال سے ملول سی ہوگئی کہ جعفر کو محض اس کی وجہ سے خانماں برباد ہونا پڑا اور رفتہ رفتہ یہ ملال اس کا اسقدر بڑھا کہ جب احمد شام کو واپس آیا تو اس نے جعفر کا خط اس کے سامنے رکھ دیا اور بولی کہ "بتائیے میں کیا کرسکتی ہوں۔ کیا کوئی صورت نہیں کہ آپ جعفر کو واپس بلالیں مجھے سخت تکلیف ہے کہ میری وجہ سے ان کو یہ مصیبت برداشت کرنا پڑ رہی ہے"

——— احمد پر جس کو سلیمہ سے واقعی کوئی محبت نہ تھی جعفر کی اس تحریر کا کوئی اثر نہیں ہوا اور اس نے ہنسی ہنسی میں نہایت ہی بے تعلقانہ طریقے سے کہہ دیا کہ یوں جعفر کو بلانے سے کیا فائدہ جب تک آپ نکاح پر آمادہ نہ ہوں ——— سلیمہ یہ سن کر خاموشی سے اُٹھ گئی لیکن اس کو اب پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ احمد کو اس کے ساتھ صرف بے تعلقی ہی نہیں ہے بلکہ شاید نفرت بھی ہے اور وہ ایک عجیب قسم کی وحشت محسوس کرنے لگی ——— اس نے جعفر کو جواب میں لکھ دیا۔

> مجھے سخت افسوس ہے کہ میں آپ کی تمام مشکلات کا باعث ہوئی لیکن اطمینان صرف اس قدر ہے کہ میرا ضمیر گنہگار نہیں میں یقین دلاتی ہوں کہ آپ کی تمام وہ آرزوئیں مجھے نہایت عزیز ہیں جنھیں افسوس ہے کہ میں پورا نہیں کرسکتی ——— کیا آپ کبھی کبھی اپنی خیریت سے آگاہ کرتے رہیں گے ———

اس واقعے کے بعد سے سلیمہ کی زندگی میں ایک ایسا داغ شامل ہوگیا تھا کہ باوجود ضبط کے بھی کبھی کبھی اس کا تاثر ظاہر ہو ہی جاتا تھا۔ ہفتوں ہو جاتے تھے کہ احمد سے گفتگو کرنے کا کوئی موقعہ نہ ملتا تھا اور اگر کبھی کوئی ضرورت بھی اس کی پیدا ہوتی تو قصداً ٹلجاتی۔ الغرض دونوں کی بے تعلقی بڑی حد تک بڑھ گئی تھی اور ایک خاموش قسم کی سوگواری اس پر طاری ہوگئی تھی۔

ایک ایک دن کرکے پورا سال گذر گیا ہے اور گرما کی شدت سے گھبرا کر احمد پہاڑ پر جانے کی تیاریاں کر رہا ہے کہ

دفعتہً زکیہ پر اسہال کا دورہ پڑتا ہے اور شام ہونے سے قبل وہ ہیضے کی صورت اختیار کرکے اسے بھی ماں کے پہلو میں لے جاکر ہمیشہ کے لیے سلا دیتا ہے۔

اس اچانک حادثے نے سلیمہ پر جو اثر کیا اس کا ذکر فضول ہے کیونکہ زکیہ سے وہ حد درجہ مانوس تھی اور صرف اسکی وجہ سے اپنی زندگی کے ایام تلخ بسر کر رہی تھی احمد جس کو اب زکیہ سے بھی زیادہ تعلق باقی نہ رہا تھا بظاہر ملول معلوم ہوتا تھا۔ لیکن بباطن وہ خوش تھا کہ اچھا ہوا یہ زنجیر بھی کٹ گئی اور اب سلیمہ کو علیحدہ کر دینے کے لیے کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی دوسرے ہی دن وہ میسوری چلا گیا اور چلتے وقت سلیمہ سے ظاہری تصنع کے طور پر بھی یہ نہیں پوچھا کہ "تم چلوگی یا نہیں"

یہ آخری لیکن نہایت ہی سخت ضرب تھی جو احمد کی طرف سے اس کو پہنچی۔ اس نے ایک ہفتے تک تو کسی نہ کسی طرح اس سنسان گھر میں بسر کر دیا لیکن جب یہ زندگی اس کے لیے ناقابل برداشت ہو گئی تو اس نے خادمہ کو جواب دے کر مکان میں قفل ڈالا۔ کنجی ایک لفافے میں رکھ کر اختر کے نام رجسٹری کر دی اور خود پھر کالج میں داخل ہو کر بورڈنگ میں رہنے لگی۔ اس کے چوتھے دن سلیمہ کے نام احمد کا خط آیا کہ اس نے دوسری شادی کر لی ہے اور اب وہ بھی آزاد ہے

سلیمہ کو دوبارہ کالج میں داخل ہوئے دو سال کا زمانہ گزر گیا ہے بی اے کے امتحان کا زمانہ قریب ہے اور وہ پوری کوشش کے ساتھ مطالعہ میں مصروف ہے

ایک دن شام کو ٹینس کھیلنے کے بعد بیٹھی ہوئی اپنے کمرے میں کپڑے بدل رہی تھی کہ جعفر کا خط اسے ملا، لکھا تھا

> میں نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اس آگ کو دبائے رکھوں جس سے تنہا جلتے رہنا بھی لطف سے خالی نہیں لیکن اس میں کامیاب نہ ہوا اب سے دو سال قبل جب آپ نے بالکل آزاد ہو کر پھر اسی زندگی کو شروع کیا جس نے مجھے تباہ کیا تھا تو پھر میرے دل میں ولولہ پیدا ہوا کہ کم از کم ایک بار اور آپ کو دیکھ لوں لیکن میں نے ضبط کیا اور خدا ہی بہتر جاننے والا ہے کہ اس دو سال کے اندر مجھ پر کیسی کیسی نازک ساعتیں آئیں اور کس کس طرح میں نے ان کا خاموشی سے مقابلہ کرکے خود اپنے آپ کو ہلاک کرنا مناسب سمجھا بجائے اس کے کہ آپ کو آگاہ کرکے آپ کی خوشگوار تعلیمی زندگی کو منغص کرتا لیکن اب کہ مصائب نے مجھے اور میری تمناؤں کو بالکل پامال کر دیا ہے، شاید غیر مناسب نہیں کہ آپ سے خطاب کروں اور ایک امر خاص میں آپ سے دوستانہ مشورہ طلب کروں
>
> آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ چند ماہ سے میں بنارس لیبوریٹری میں کام کر رہا تھا اور شادونا شاد جی رہا تھا۔ پرسوں دفعتاً ایک حادثہ کی وجہ سے جسکا ذمہ دار صرف میں ہوں

میری دونون آنکھون کو سخت صدمہ پہنچا اور ۲۴ گھنٹے کے اندر بینائی بالکل جاتی رہی ——— احمد نے عرصے سے خط و کتابت بند کر دی ہے لیکن مین نے انھین تار دیا نتیجہ وہی نکلا جو مین جانتا تھا آپ کو تار اس لیے نہین دیا کہ تفصیلی گفتگو کی ضرورت تھی بہرحال اب مین اپنے تمام گزشتہ خیالات سے بالکل تائب ہو کر آپ کو یہ اطلاع دے رہا ہون اور امید کرتا ہون کہ جو خطائین مجھ سے صاحب بصارت ہونے کی حالت مین سرزد ہوئی ہین ان کو آپ میری بے بصری کے زمانہ مین فراموش کر دین گی۔ کیونکہ اب تو مجھے یہ حق بھی حاصل نہین کہ عہد ناکامی کی یاد بھی دل مین باقی رہنے دون چہ جائیکہ کوئی امید قائم کرنا۔

ایک دوست کے مکان پر عارضی طور سے مقیم ہون اور انھین سے یہ خط لکھوا رہا ہون خدا کرے آپ کو مل جائے اور آپ اسے پڑھ لین کہ اب یہی میری انتہائی آرزو ہے،

آپکا گنہگار

جعفر

سلیمہ نے یہ خط پڑھنے کو تو پڑھ لیا لیکن ایک ایسی کیفیت کے ساتھ جو اس سے قبل کبھی اس پر طاری نہین ہوئی تھی وہ ایسا محسوس کر رہی تھی کہ اس کے دل مین جذبۂ ہمدردی کے علاوہ کوئی اور نئی کیفیت کام کر رہی ہے۔ اور وہ بے اختیار رو دینا چاہتی ہے۔ اُس نے پھر اس خط کو پڑھا اور رکھ دیا پھر اٹھایا اور پڑھا۔ وہ حیران تھی کہ اب کیا کرے اور کس طرح اس اضطراب کو دور کر سکے جو ہر لحظہ بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ ایسا محسوس کر رہی تھی کہ اس نے کوئی شدید جرم جعفر کے خلاف کیا ہے اور بیتاب ہے کہ کس طرح اس کی تلافی کر سکے ——— اس نے ٹائم ٹیبل اٹھا کر دیکھا اور پھر گھڑی پر نگاہ ڈال کر فوراً ہی ایک سوٹ کیس اور ہینڈ بیگ لے کر اسٹیشن چل دی

سلیمہ کو بنارس آئے ہوے دو دن ہو گئے ہین اور اس دوران مین مشکل ہی سے شاید اسنے چند گھنٹون کیلیے آرام کیا ہو جس وقت وہ یہان پہنچی تو جعفر شدید تپ مین مبتلا تھا اور اسے مطلق ہوش نہ تھا کہ کون آتا ہے اور کون جاتا ہے ڈاکٹر نے ممانعت کر دی تھی کہ کسی قسم کا دماغی ہیجان یا اضطراب اس مین پیدا نہ کیا جائے ورنہ سرسام ہو جانے کا اندیشہ ہے اس لیے وہ سلیمہ کی آمد سے بالکل بے خبر ہو گیا اور جب تیسرے دن تپ مین کچھ کمی ہوئی تو سب سے پہلے اس نے اپنے چارون طرف ٹٹولا اور یہ محسوس کر کے کہ کمرہ خالی ہے نہایت ہی مایوسی کے ساتھ آپ ہی آپ کہنے لگا کہ "آہ، کون مصیبت مین ساتھ دیتا ہے" اور یہ کہکر آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے۔ سلیمہ جو ان تمام کیفیات کا مطالعہ کر رہی تھی بے قابو ہو گئی

اور پلنگ پر بیٹھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولی کہ "آپ کیون گھبراتے ہیں میں آ گئی ہون" جعفر جس نے کبھی یہ توقع قائم نہ کی تھی کہ سلیمہ یون آمنے سامنے ہو کر اس سے گفتگو کرے گی اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیکھ کر کانپنے لگا اور پلنگ سے اٹھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن سلیمہ نے اس کو اس کی اجازت نہ دی اور بولی کہ "جعفر اب تعظیم و احترام کا زمانہ گذر گیا۔ میں تمھاری مجرم ہون اور ایک مجرم ہی کی حیثیت سے حاضر ہوئی ہون تاکہ جو سزا میرے لیے تجویز کیجائے اس کو خوشی سے برداشت کرون"

جعفر کا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا ہاتھ پانون کی سکت جاتی رہی تھی اور چہرہ کبھی زرد ہو جاتا تھا اور کبھی سُرخ۔۔۔۔

تھوڑی دیر کے بعد بولا "سلیمہ خدا کے لیے مجھے دھوکا نہ دو میں اس سے قبل بھی بارہا اسی طرح کے الفاظ ہمدردی تمھاری طرف سے خواب میں سن چکا ہون اور میں نے ہمیشہ ہر ایسے خیال کو واقعہ سمجھ کر آنکھ کھولی تو سوائے دل کی دھڑکن کے اپنے پاس تمھاری کوئی نشانی نہ پائی۔ پھر جب آنکھیں بھیں تو خواب و بیداری کی فرق کے ساتھ واہمہ و حقیقت کا امتیاز بھی میں کر سکتا تھا لیکن اب جبکہ میری ساری زندگی صرف ایک خواب میں تبدیل ہو گئی ہے مجھے کیون اس طرح ستایا جاتا ہے"۔ یہ کہہ کر جعفر نے اپنا ہاتھ سلیمہ کے ہاتھ سے چھڑا کر پٹیون سے بندھی ہوئی آنکھون پر رکھ لیا اور کروٹ لے کر پھر رونے لگا۔

سلیمہ وہان سے اٹھ کر چلی گئی اور کونے میں بیٹھ کر خوب پھوٹ کر رو لینے کے بعد جب دل کی بھڑاس اچھی طرح نکل گئی تو پھر واپس آئی اور جعفر کو آواز دے کر بولی کہ "دوا کا وقت آ گیا ہے آپ سو تو نہیں رہے"

جعفر جو واقعی یہی سمجھ رہا تھا کہ سلیمہ نے خواب میں آ کر اس سے گفتگو کی تھی پھر چونکا لیکن اس مرتبہ وہ اچھی طرح اپنی بیداری کو محسوس کر رہا تھا اس لیے اسے فوراً اپنے خط لکھوانے کا خیال آیا اور اسی کے ساتھ یہ یقین کہ سلیمہ ضرور آ گئی ہو گی اور یقیناً یہ اسی کی آواز ہے ۔۔۔۔۔۔ یہ سمجھتے ہی وہ بے تاب ہو کر اٹھ بیٹھا اور بولا کون سلیمہ سلیمہ! کیا واقعی تم آ گئیں" وہ یہ کہتا جاتا تھا اور اس کی سانس کے لیے سینہ تنگ ہوتا جا رہا تھا ۔۔۔۔۔۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور اگر سلیمہ فوراً آ کر اسے نہ سنبھال لیتی تو شاید وہ ٹھوکر کھا کر گر پڑتا

سلیمہ بولی "آخر یہ اسقدر اضطراب آپ کو کیون ہے"

جعفر ۔ "تم اور مجھ سے یہ سوال کرو! کیا شمع کبھی پروانے سے یہ سوال کر سکتی ہے، کیا چاندنی سمندر کے مدو جزر سے کبھی یہ دریافت کر سکتی ہے، کیا کبھی پھول نے بلبل سے یہ استفسار کیا ہے، کیا کبھی سرو نے قمری سے اس کی بے تابی کا سبب معلوم کیا ہے! ۔۔۔۔۔۔ آہ سلیمہ تم کو نہیں معلوم کہ میری تمام زندگی صرف اسی ایک تمنا میں گذری کہ کاشکے تم میرے پاس ہوتیں۔ میری ساری عمر اسی ایک خواب میں بسر ہوئی پھر میں اسے قدرت کی کس نوع کی مہربانی سے تعبیر کرون کہ آج جب کہ مرادہ خواب حقیقت میں تبدیل ہو رہا ہے خود میری زندگی ایک تاریک خواب

ہو کر رہ گئی ہے اور دنیا کی ساری حقیقتیں وہم و خیال۔ آہ یہ وہ ساعت تھی کہ مین تمھاری رعنائیون کو دیکھتا تمھاری بڑی بڑی ساحر آنکھون کو دیکھتا، تمھارے ملیح رنگ کو دیکھتا تمھارے جسم کے لوچ، تمھارے ہاتھون کی نرمی تمھارے قامت کے تناسب کو دیکھتا اور پھر دفعتاً تمھارے قدمون پر گر کر جان دے دیتا لیکن اسدری میری بدنصیبی کہ تمام وہ چیزین جن کا مطالعہ دوری سے کرنے کے لیے مین ترستا رہتا تھا آج مجھ سے اس قدر نزدیک ہین اور مین ان کے لطف سے محروم ہون باوجود اس قدر قربت کے اتنی دوری باوجود اس اتصال کے ایسی مہجوری، حقیقت یہ ہے کہ قدرت نے شاید ہی کبھی یہ ظلم کسی کے ساتھ روا رکھا ہو ——— سلیمہ اگر کوئی نامناسب بات میری زبان سے نکلے تو معاف کر دینا کیونکہ مین صرف اندھا ہی نہین بلکہ دیوانہ بھی ہو گیا ہون۔ آہ کیا اگر یون مجھ سے اس خوش بختی کے عوض بینائی طلب کی جاتی تو کیا مجھے انکار ہوتا ہرگز نہین، لیکن اسدری ستم ظریفی کہ رسم قبول سے پہلے ہی میرے ہدایا مجھ سے چھین لیے گئے۔ "وہ بند شوق دلے رخصت نظر نہ دہند"

سلیمہ کی زندگی مین اس نوع کی گفتگو، اس انداز کا مخاطبہ، بالکل پہلی چیز تھی وہ غریب بالکل ناواقف تھی کہ محبت کرنے والے لوگ آپس مین کس قسم کی گفتگو کیا کرتے ہین اور اس کی سمجھ مین نہ آتا تھا کہ جعفر کے ان جذبات کا جواب کن الفاظ مین دے۔ وہ خاموش بت کی طرح کھڑی تھی اور آہستہ آہستہ موتی کی طرح آنسو ڈھلکا رہی تھی۔ جعفر دیر تک اپنا سر کڑے بیٹھا رہا اور پھر دونون ہاتھ آگے بڑھا کر بولا "سلیمہ ادھر آؤ، اپنے ہاتھ مجھے دو کہ اپنی آنکھون سے انھین لگا لُون، سینہ پر رکھون، کیونکہ کسے خبر ہے خدا اس کی بھی فرصت مجھے دیتا ہے یا نہین"

سلیمہ جو دور سے کھڑی اپنے امنڈ پڑنے والے جذبات کا مقابلہ کر رہی تھی آگے بڑھی اور جب جعفر کے ہاتھ مین اس کا ہاتھ پہنچا تو وہ اس طرح بے قابو ہو گئی جیسے سیلاب مین کسی کے پاؤن اکھڑ جائین اور پھر وہ اپنے آپ کو بالکل سیلاب کے رحم پر چھوڑ دے

سلیمہ کو آئے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا ہے اور اس عرصے مین جعفر کی تپ تو جاتی رہی لیکن آنکھون کا علاج بدستور جاری ہے ہر چند ڈاکٹر اعادۂ بینائی کی طرف سے مایوس ہین لیکن سلیمہ کو ابھی تک اس کی صحت کا یقین ہے اور وہ چاہتی ہے کہ لکھنؤ لے جا کر وہان ڈاکٹرون سے مشورہ کرے۔ شام کا وقت ہے اور سلیمہ جعفر کی آنکھون کی پٹیان بدل کر ابھی بیٹھی ہے کہ جعفر لکھنؤ جانے کا ذکر پھر چھیڑ دیتا ہے۔

سلیمہ "مین نے پرسون کی تاریخ مقرر کر کے تار دے دیا ہے لیکن جعفر مین پھر تم سے کہتی ہون کہ میری اُن ہمدردیون کو میکر او پر فرض کر دینے کے لیے جس رسم کی ضرورت ہے اسے پھر پورا ہو جانا چاہیے"

جعفر "سلیمہ یہ ناممکن ہے کہ جان بوجھ کر تمھاری زندگی کو تباہ و برباد کر دون، تمھاری انھین عنایات کا شکریہ مجھ سے ادا نہین ہو سکتا چہ جائیکہ ان مین کسی ایسے لطف و کرم کا اضافہ جنکا کافی معاوضہ میری جان بھی نہین ہو سکتی"

سلیمہ۔ "تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ مین ہمیشہ ملول زندگی بسر کرون اور خوشی کا کوئی لمحہ مجھے نصیب نہ ہو
جعفر۔ "سلیمہ یہ باتین تم جن جذبات کے ماتحت کر رہی ہو وہ اس قدر معصومانہ ہین کہ مجھ ایسے گناہ گار انسان کے پاس کوئی ذریعہ ان کے اعتراف کا نہین۔ مین اور تم کو ملول دیکھون! کیسے ممکن ہے لیکن کیا شادی ہوجانیسے میرے دل سے اُس سوگواری کا خیال کسی طرح نکل سکتا ہے جو ایک نابینا کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے خیال سے قدرتاً جلد یا بدیر تم مین پیدا ہو جانا چاہیے
سلیمہ۔ خیر یہ بحث فضول ہے۔ میرے نزدیک نکاح کا اصل مقصود صرف ہمدردی دا ثیار ہے اور شاید اس سے زیادہ بہتر صورت اس مقصد کے پورا کرنے کی میرے لیے اور کوئی نہین ہوسکتی

جعفر کو چونکہ بالکل یقین ہو گیا تھا کہ سلیمہ اپنی ضد سے کسی طرح باز نہین آسکتی اس لیے وہ دیر تک سوچنے کے بعد بولا کہ بہتر ہے جو آپ کی مرضی۔ کل صبح کو مناسب ہو گا۔

سلیمہ یہ سن کر اس قدر مسرور ہوئی کہ شاید ہی کبھی پہلے ہوئی ہو ـــ اس نے بیتاب ہو کر جعفر کے دونون ہاتھ اپنے ہاتھون مین لے کر چومے اور چونکہ رات زیادہ ہوگئی تھی اس لیے "خدا حافظ" کہتی ہوئی رخصت ہوگئی

رات بھر سلیمہ بے قرار رہی کہ کسی طرح صبح ہو اور وہ رسم نکاح کو پورا کر کے اس نقصان کی تلافی کرے جو اس کی طرف سے جعفر کو پہنچا تھا۔ صبح ہوتے ہی جلدی جلدی اٹھی اور جعفر کے کمرے مین گئی کہ اس کا ہاتھ منھ دھلائے لیکن اسکو بدستور سوتا ہوا دیکھ کر واپس آگئی۔ اسے حیرت تھی کہ آج خلاف معمول وہ کیون ابھی تک نہین اٹھا۔ پندرہ منٹ انتظار کرنے کے بعد وہ پھر گئی اور آہستہ آہستہ چادر ہٹا کر اس کو جگانا چاہتی تھی کہ دفعتاً اس کی نگاہ ایک شیشی پر پڑی جو بستر پر الٹی پڑی تھی اور چند قطرے اسکے اندر سے بہ کر چادر پر دھبہ چھوڑ گئے تھے۔ اس نے شیشی اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ آنکھ مین ڈالنے کی دوا تھی جو جعفر کے پلنگ ہی کے پاس منبر پر رکھی رہتی تھی ـــــ تکیے کی طرف نگاہ گئی تو وہان ایک پرزہ کاغذ کا رکھا ہوا تھا جس پر پنسل سے ٹوٹے ٹوٹے حروف مین "خدا حافظ سلیمہ" لکھا تھا۔ اور جعفر کا جسم سرد ہو کر بالکل نیل گون ہو گیا تھا۔

نیاز

جناب شوکت تھانوی مشہور مزاحیہ نگار کے مجموعہ مضامین کی دو جلدین

موجِ تبسم اور بحرِ تبسم

مجلد علاوہ محصول عہ/ غیر مجلد علاوہ محصول عمر
مجلد علاوہ محصول پہ/ غیر مجلد علاوہ محصول عہ/۱۲

دونون مع محصول مجلد للعہ غیر مجلد ہے مین

اگر دیکھنے کے بعد آپ واپس کرنا چاہین گے تو محصول ڈاک وضع کر کے آپکی رقم آپکے پاس بھیج دی جائے گی۔ منیجر نگار لکھنؤ

لاسلکی کا مستقبل

سنہ ۱۸۹۵ مین —— مارکونی نے لاسلکی ٹیلی گراف کا آلہ ایجاد کیا،

سنہ ۱۸۹۷ مین —— مارکونی نے پہلا لاسلکی پیغام چار میل کے فاصلے پر ارسال کیا،

سنہ ۱۸۹۹ مین —— پہلے لاسلکی پیغام کا فرانس وانگلستان کے درمیان تبادلہ کیا گیا،

سنہ ۱۹۰۱ مین —— پہلا لاسلکی پیغام یورپ سے بحر اٹلانٹک کے اُس پار امریکہ بھیجا گیا،

سنہ ؟ مین —— عنقریب لاسلکی کے ذریعے سے "عالم بالا" کے ساتھ گفتگو کی جائیگی،

½ صدی سے زیادہ عرصہ ہوا کہ دنیا ایتھر کی موجون —— یا لاسلکی کے ذریعے سے تخاطب کی ایجاد پر غور کر رہی ہے جب ہم ایتھر کی موجون کا نام اپنی زبان سے نکالتے ہین تو پہلے یہ فرض کر لیتے ہین کہ ایتھر کا وجود صحیح ہے یا کم سے کم لاسلکی کی موجون کا ایک اس قسم کے مادے مین سے گزرنا تسلیم کرنا پڑے گا جس کی حقیقت سے تو ہم پورے طور پر واقف نہین ہین لیکن آثار وعلامات سے ان کے وجود پر یقین کر لیتے ہین۔

جب مارکونی نے لاسلکی کے متعلق تجربات شروع کیے تو اس فعل کو تمام دنیا نے حیرت واستعجاب کی نظرون سے دیکھا اور یہ خیال کیا گیا کہ اس کی تمام محنت یقیناً ضائع جائے گی۔ لیکن ادھر سنہ ۱۸۹۵ کی ابتدا ہوئی ادھر مارکونی لاسلکی بجلی کا پہلا شرارہ چند گز کے فاصلہ پر بھیجنے مین کامیاب ہو گیا۔ پھر پورے دو سال بھی نہین گزرے تھے کہ باقاعدہ اعلان کر دیا گیا کہ لاسلکی پیغام نے چار میل کا فاصلہ طے کر لیا!

اس دن سے آج تک دنیا دیکھ رہی ہے کہ لاسلکی نہایت تیزی سے ترقی کی منزلین طے کر رہی ہے اور خیال ہے کہ اسکے پیش نظر وہ بعید ترین منزل مقصود ہے جس کی جانب انسان ابتدائے آفرینش سے سرگرم سفر ہے —— یعنی عالم بالا کیساتھ گفتگو کر سکنا!

اس مخاطبت کی کیا صورت ہوگی؟ اب ہم اس جگہ نہین ہین کہ مستقبل مین پیش آنے والے واقعات کے متعلق صرف قیاس آرائی پر اکتفا کرین جس طرح جول ورن وغیرہ نے مستقبل مین ہونے والی ایجادات کے متعلق پیشین گوئی کو صحیح کر دکھایا۔ بلکہ ہم تو ایسے امور کا تذکرہ کر رہے ہین جو قریب قریب متحقق ہو چکے ہین،

کیونکہ موجودہ معلومات کی بناپر علما یقین کے ساتھ کہتے ہین کہ مستقبل قریب مین ان کی تکمیل ہو جائے گی حقیقت مین ان اختراعات کا ایک بڑا حصہ اب تحقق کے مرتبے مین ہے اور اس مین تنقیح و تعدیل کے سوا کوئی ایسا نقص باقی نہین ہے جو منزل مقصود تک پہنچنے مین مانع ہو

اگرچہ اکثر علما کو یقین ہے کہ جب انسان فن پرواز مین کمال حاصل کر لے گا تو اجرام علویہ تک پہنچنا یا وہان سے تعلقات قائم کرنا کوئی مشکل امر نہین رہے گا لیکن ان علما کی ایک بہت بڑی اکثریت کا اعتقاد ہے کہ طیارون کے ذریعے سے اجرام علویہ کے ساتھ تعلقات قائم کرنے سے پہلے لاسلکی بجلی کے ذریعے سے تعلقات قائم ہو جائین گے۔ اس کی تشریح کیلیے بیان کیا جاتا ہے کہ ٹیلیویژن (Television) ——— یعنی دور دراز فاصلے پر تصاویر وغیرہ منتقل کرنے کا آلہ ——— اتنا مکمل ہو جائے گا کہ اس کے ذریعے سے کائنات بعیدہ کا معائنہ ممکن ہو گا اور غیر معمولی فاصلہ وہان کے حالات کے معائنہ مین مانع نہین ہو سکے گا۔

جب ہم علمی ایجادات کی تاریخ کی طرف رجوع کرتے ہین اور ان کی ابتدائی حالت کا موجودہ حالت سے موازنہ کرتے ہین تو ہمین یقین ہو جاتا ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے جب ٹیلی ویژن (یعنی آلۂ انتقال عکس) اتنا مکمل ہو جائے گا کہ اس کے توسط سے انسان دور افتادہ کواکب کے حالات کا بخوبی اندازہ کر سکے گا۔

یہ کہنے کی ضرورت نہین کہ اس قسم کی پیشین گوئی محض جولانی طبع کی حیثیت نہین رکھتی بلکہ وہ ایک خالص علمی نظریہ ہے جس کی تکمیل کے لیے صرف حالات اور وقت کی مناسب رفتار کی ضرورت ہے، قابل اعتماد اور صائب الرائے علما کا پختہ فیصلہ ہے کہ موجودہ دور گذرنے کے قبل مشاہدہ بالفصل کی مشکل پوری طرح حل ہو جائے گی اور انسان کیلیے ممکن ہو جائیگا کہ کواکب بعیدہ کے ساتھ تعلقات قائم کرے اور وہان کے کوہ و دشت اور بحر و بر کا بآسانی مشاہدہ کرنے لگے۔

اگرچہ فضا کی لطافت ان اجرام تک طیارون کے ذریعے سے پہنچنے مین خارج ہوتی ہے لیکن بعینہٖ یہی لطافت ان اجرام کے ساتھ تعلقات قائم کرنے مین ٹیلی ویژن کے آلات کی مدد و معاون ثابت ہو گی یہان تک کہ عقل انسانی کوئی ایسا طریقہ ایجاد کر لے جس کے ذریعے سے فضائے بسیط کی لطافت پر غلبہ اور زمین اور دوسرے اجرام کے درمیانی خلامین سفر کرنیکا امکان پیدا ہو جائے۔

جب ہم عقل انسانی کے گزشتہ عظیم الشان کارنامون پر نظر ڈالتے ہین اور گذشتہ صدی کی اہم معلومات کو دیکھتے ہوے ان وسائل پر غور کرتے ہین جن کے ذریعے سے عناصر طبعی کو اطاعت و انقیاد پر مجبور کیا گیا ہے تو اس امر مین کوئی شک باقی نہین رہتا کہ عقلی طور پر دنیا مین کوئی کام "محال" نہین ہے اور اگر کوئی امر محال ہے تو وہ اس لفظ کا شرمندۂ معنی ہونا!

حال و مستقبل قریب جن باتون کا مستقبل بعید مین وقوع ہو سکتا ہے اُن سے قطع نظر کرکے ایسے امور پر غور کرنا مناسب ہو گا جن کی نسبت خیال ہے کہ مستقبل قریب مین ——— بلکہ دس سال کا عرصہ منقضی ہونیسے قبل

ان کی تکمیل ہو جائے گی۔ ہمارے خیال مین یہان اس خیال کا خلاصہ کرنا بہت موزون ہوگا جو آلۂ لاسلکی کے موجد سنیور مارکونی نے ایک انگریزی رسالہ کے نمایندہ کو دیا، لاسلکی کے متعلق ان سے زیادہ اور کس کی رائے قابل وثوق ہو سکتی ہے؟

رسالۂ مذکور کے نمایندے نے سنیور مارکونی سے ان کی بحری قیام گاہ واقع اطالیہ مین ملاقات کی جہان موصوف نے مخاطبات لاسلکیہ کی اصلاح اور اختلاف "طول موج"[1] کی خصوصیتون کے تجربات کا وسیع پیمانے پر انتظام کیا ہے مارکونی کا بیان حسب ذیل ہے۔

۳۵ سال پہلے جب مین نے اپنے تجربات شروع کیے تو مجھے ان مقاصد تک پہنچنے کا پورا یقین تھا جن تک مین پہنچ چکا ہون۔ مگر ٹیلی ویژن (آلۂ انتقال عکس) کے متعلق کبھی بھولے سے بھی میرے دل مین خطرہ نہین گزرا تھا۔

جس دن مین نے سنہ ۱۹۰۱ء مین لاسلکی پر کارنوال سے امریکہ کو مخاطب کیا اس دن مجھے کامل یقین ہو گیا کہ لاسلکی عنقریب دنیا کے مختلف گوشون کو ایک دوسرے سے متصل کر دے گی، مجھے پوری طرح معلوم ہے کہ یہ کیونکر ہوگا کچھ عرصے کے بعد ہم تقریرین، خبرین اور موسیقی کے نغمے اسی طرح شائع کرنے لگے جس طرح اب شائع کرتے ہین، یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہم جنگ عظیم سے پہلے سمندرون مین مسافر جہازون سے گفتگو کرنے لگے تھے یہ صحیح ہے کہ لاسلکی آلات اور نظام تخاطب مین بہت سی اصلاحات نافذ کر دی گئی ہین، لیکن نفس ایجاد جنگ سے پہلے موجود تھی۔

غالباً لاسلکی کے رواج عام کے راستے مین ذیل کی دو مشکلات سب سے زیادہ حارج ہو رہی ہین

(۱) انتقال اخبار کے مصارف کثیرہ،

(۲) گفتگو کی رازداری کا فقدان،

---

[1] روشنی ایک قسم کی موجی حرکت ہے جسے پانی کی موجون پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ جب ساکن پانی مین پتھر گراتے ہین تو اس مقام پر جہان پتھر گرتا ہے پانی مین ایک حرکت پیدا ہوتی ہے جو موجون کی صورت مین اس مقام کے گرد ہر طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ اس واقعہ مین جو چیز منتقل ہوتی ہے وہ پانی نہین بلکہ محض حرکت ہے پانی کے ذرات فقط اوپر نیچے حرکت کرتے ہین لیکن ان کی یہ حرکت ایک ذرہ سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے مین منتقل ہوتی رہتی ہے اسکا نتیجہ ایک موج یا لہر کی صورت مین ظاہر ہوتا ہے۔ موج کے ایک اوج سے دوسرے اوج تک جو فاصلہ ہوتا ہے اسکو "طول موج" wave length کہتے ہین روشنی کی شعاع بھی اسی قسم کی موجون پر مشتمل ہوتی ہے جس طرح پتھر کی ضرب سے پانی مین امواج پیدا ہوتی ہین۔ انکا طول موج ذرات کے ارتعاش پر موقوف ہے جسقدر ارتعاش تیز ہوگا اسی قدر طول موج کم ہوگا مختلف رنگون کی روشنی مین جو فرق ہے وہ محض طول موج کا فرق ہے بنفشی کا طول موج سب سے کم اور سرخ کا سب سے زیادہ ہے۔ (رسالہ سائنس جلد (۱) حصہ (۲) صفحہ ۱۴۱ و ۱۴۲) سروش

مجھے یقین ہے کہ دس سال گذرنے سے قبل ہم کوئی ایسا طریقہ دریافت کرنے کے قابل ہو جائیں گے جس کے ذریعے سے لاسلکی برقی موجون کو مخصوص سمت مین ارسال کر سکیں اس طرح کہ اس کی موجین پانی کی دھار کے مانند معینہ سمت مین روانہ کی جائین گی۔ ایسا نہ ہو گا جیسا اب ہوتا ہے کہ یہ موجین بے قید چھوڑ دی جاتی ہین اور تمام فضا مین منتشر ہو جاتی ہین جس کی وجہ سے مخاطب کی رازداری قائم رکھنا غیر ممکن ہو جاتا ہے صرف یہی نہین بلکہ فضا مین موجون کا انتشار دشتت ایک ایسی فضول خرچی ہے جو کسی طرح گوارا نہین کی جا سکتی کیونکہ اس کے لیے بہت زیادہ توت صرف کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ گمان غالب ہے کہ کم طول کی موجون کے استعمال، اور انھین منتشر چھوڑ دینے کی بجائے ایک خاص سمت مین بھیجنے کے طریقے کی دریافت اس مشکل کو جزوی طور پر حل کر دے گی جب علم ان دو مشکلات پر غالب آجائے گا تو لوگ آلات لاسلکی کو اسی کثرت سے استعمال کرنے لگین گے جس طرح ٹیلیفون وغیرہ دوسری اختراعات کو بے تکلف استعمال کر کے اپنی ضروریات زندگی مین شامل کر چکے ہین

یقیناً اطراف عالم کو ایک دوسرے سے مربوط کرنے اور انسانون مین حسن اعتماد اور رواداری کے جذبات کی نشوونما مین لاسلکی کی تعمیم بہت زیادہ امداد دے گی۔ عنقریب ایک دن ایسا آنے والا ہے جب ایتھر لاسلکی پیغامات و رسائل کا زیادہ سے زیادہ تعداد مین حامل نظر آئے گا،

ابتک ہم نے اس پر کفایت کی ہے کہ فضا مین پیغام ارسال کر دیا جائے جو منتشر ہو کر اپنی موجون سے تمام فضا کو مملو کر دے جیسا کہ عرض کیا گیا۔ اس مین بے حد درجہ اسراف کی شان پائی جاتی ہے اسی لیے علماء کوشش کر رہے ہین کہ ہر ایک پیغام محدود سمت مین خاص خطوط پر ارسال کیا جائے اس طرح دو خطرناک امور سے تحفظ ہو جائے گا یعنی اسراف اور فضا مین بھیجی ہوئی چیزون کی غیر ضروری اشاعت عامہ!

یہ کہنے کی ضرورت نہین ہے کہ پیغامات کی رازداری محفوظ رکھنے کا مسئلہ نہایت اہمیت رکھتا ہے صرف سیاسی اور حربی امور مین نہین بلکہ تجارتی امور مین بھی کیونکہ تاجرین عادتاً اپنے اسرار کی رازداری کے ایسے ہی خواہش مند ہوتے ہین جیسے ایک سپہ سالار خطوط جنگ کی رازداری کا خواہان ہوتا ہے۔ غالباً دس سال نہین گذرین گے کہ انسان ہزارون میل کے فاصلے پر بیٹھ کر اپنے احباب اور اپنے شرکاء کار سے گفتگو کر سکے گا اور کسی غیر متعلق شخص کو پتہ بھی نہین چلے گا کہ ایتھر کی موجون پر ان مین کیا تبادلۂ خیال ہو گیا جس دن یہ ہو گیا تو سمجھ لینا چاہیے کہ لاسلکی کمال معراج کو پہنچ گئی۔

ظاہر ہے کہ آجکل لاسلکی کے رواج مین جو سب سے بڑی مشکل حائل ہے وہ اسکے آلات کی غیر معمولی گرانی ہے۔ جب موجدین لاسلکی کے سادہ اور ارزان آلات ایجاد کر لین گے اور موجون کی فضا مین

انتشار سے تحفظ کا طریقہ دریافت ہو جائے گا تو دنیا مین ہر خاندان لاسلکی استعمال کرنے لگے گا اور غریب وامیر سب کے لیے آلات لاسلکی کے طفیل مین وسائل تخاطب کا استعمال اور دور کے نغمات موسیقی سے مسرت اندوز ہونا سہل الحصول ہو جائے گا۔

یہان سے مارکونی اور رسالہ کے نمایندہ مین ٹیلی ویژن آلۂ انتقال عکس، کی ایجاد پر گفتگو ہونے لگی اسکے متعلق مارکونی نے جو اظہار راے کیا اسکا خلاصہ حسب ذیل ہے

اس اختراع کی تکمیل اور عوام کے لیے قابل استعمال ہونے کے واسطے کچھ عرصہ درکار ہے اس مین شک نہین کہ جب وہ اس حد کو پہنچ جائے گی تو ہمارے اقتصادی نظام مین غیر معمولی طور پر اثر انداز ہو گی، کیونکہ جس شخص کے قبضے مین لاسلکی آلۂ انتقال عکس ہو گا وہ ہر قسم کے تفریحی جلسون وغیرہ کی شرکت سے بے نیاز ہو جائیگا نہ اسے گھوڑ دوڑ جانے کی حاجت ہو گی نہ تھیٹر اور سینما مین، نہ وہ مجالس رقص وسرود مین شریک ہونے پر مجبور ہو گا نہ اسے کرکٹ اور فٹ بال کے میچ دیکھنے کیلیے جانے کی ضرورت پیش آئے گی ایسی صورت مین اس وقت سینما ہاؤسون اور رقص گاہون کی کیا حالت ہو گی؟ اور کون احمق ہو گا جو ایسے مقامات مین جا کر اپنا روپیہ برباد کرے گا اور آمد ورفت کی تکلیف اٹھائے گا دران حالیکہ وہ گھر بیٹھے ان تمام مناظر سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔

اس ایجاد سے جو انقلاب عظیم رونما ہو گا ہم اس کا صحیح اندازہ نہین کر سکتے لیکن ہمین یقین ہے کہ اس سے ہمارا مالی اقتصادی، اور اجتماعی نظام بہ شدت متاثر ہو گا بولنے والے سینما نے رواج عام نہونے کے باوجود ابھی سے تھیٹر پر ناخوشگوار اثر ڈالنا شروع کر دیا ہے جو مرور ایام کے ساتھ تیز تر ہوتا جائیگا پھر اس وقت کیا حالت ہو گی جب آلۂ انتقال عکس تمام حقائق کو جملہ تفصیلات اور باریکیون کے ساتھ فی الوقت ہمارے سامنے پیش کر دیا کرے گا؟

لاسلکی اور جنگ یہ کہنا لاحاصل ہے کہ لاسلکی اپنی تمام اقسام کے ساتھ آیندہ ہونے والی جنگون مین غیر معمولی طور پر موثر ہو گی، گزشتہ جنگ عظیم مین اس کے اثرات نمایان نہ ہونے کی وجہ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہین یہ ہے کہ مخاطبات کی رازداری غیر ممکن تھی اور لاسلکی امواج پر جو پیغامات واشارات منتقل ہوتے تھے وہ فضا کے ہر حصے مین منتشر ہو جاتے تھے اور ان کا کسی خاص سمت مین اس طرح ارسال کرنا ممکن نہ تھا کہ مخالفین کی دست برد سے محفوظ رہ سکین اس لیے جب علما کوئی ایسا طریقہ ایجاد کرنے مین کامیاب ہو جائین گے کہ مخاطبات کی رازداری قائم رکھنا ممکن ہو تو جنگ کے مواقع پر لاسلکی کے اثرات بہت کافی اور نمایان ہون گے اس وقت میدان جنگ کا نقشہ شطرنج کی بساط سے مشابہ ہو جائیگا کیونکہ قائد اعظم اپنی کرسی پر بیٹھے بیٹھے آلۂ انتقال عکس (ٹیلیویژن) کی مدد سے تمام خطوط جنگ پر فوجون کی نقل وحرکت کی نگرانی کر سکے گا، اور اسکے بعد وہین بیٹھے بیٹھے لاسلکی ٹیلیفون سے ماتحت افسران کو مناسب ہدایات جاری کر سکے گا

غالباً اس وقت خونریزی مین معتد بہ کمی ہو جائے گی کیونکہ مثلاً سپہ سالار حریف کی فوج کے ایک حصے پر حملہ کرنیکا ارادہ کرتا ہو لیکن جب اسے دشمن کی "اموینیت" (Immunity) اور تیاری کا علم ہو گا تو وہ یقیناً حملے کے ارادے سے باز آجائیگا اور اس طرح بہت سی جانین ضائع ہونے سے محفوظ رہ سکین گی

لیکن دوسری طرف آلۂ انتقال مستقبل مین وہ فرائض بھی انجام دے گا جو آج کل مخبر انجام دیتے ہین۔ مخصوص حالات کے سوا مثلاً جب کسی اہم دستاویز وغیرہ کا غائب کر دینا مقصود ہو عام طور پر جاسوسون اور مخبرون سے حکومتین بے نیاز ہو جائینگی

مگر جو موجدین لاسلکی کی اصلاح و تکمیل کے لیے جد و جہد کر رہے ہین ان کا مقصد محض مفاد عامہ ہے اور انھین خائنین اور ہوس ملک گیری رکھنے والے اشخاص کی طمع پرستی سے کوئی تعلق نہین ہے۔ ان کی حالت بھی دوسرے مخترعین کی حالت سے مختلف نہین ہے جنھون نے اپنی ایجادات سے خدمت خلق کا ارادہ کیا لیکن رجال حرب نے ان کی اصلی غرض سے قطع نظر کر کے انھین ہلاکت و بربادی اور خونریزی کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ اگر مستقبل مین خود غرض اور مطلب پرست اشخاص لاسلکی کو اپنی غیر شریفانہ اور ذلیل و پست خواہشات کی تکمیل کیلیے استعمال کرینگے تو اس سے مخترعین پر کوئی حرف نہین آتا بلکہ حقیقت مین یہ ان مطلبی اشخاص کی طمع پرستی اور ہوس کا نتیجہ ہو گا۔

یہ ہے اس شخص کی آراء کا خلاصہ جس نے لاسلکی کے اسرار و خواص کے اکتشاف کے لیے اور خدمت نوع انسان کے مقصد سے تسخیر کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کر رکھی ہے، مارکونی نے چالیس سال سے زیادہ اپنے اس خواب کی تعبیر حاصل کرنے مین صرف کیے ہین جو اس نے اوائل عمر مین دیکھنا شروع کیا تھا ——— یعنی مختلف اطراف عالم کو لاسلکی کے رابطے سے باہم مربوط و متصل کر دینے کا خواب! ابتداء کار مین لوگ اس کا مذاق اڑاتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ فضول اپنا وقت ضائع کر رہا ہے، لیکن اس زمانے نے اس خوشگوار خواب کو ایک حقیقت ثابتہ کی صورت مین تبدیل کر دیا اور اسکے نظریہ کی تصدیق کر کے ایک مرتبہ اور دنیا پر ثابت کر دیا کہ بڑی بڑی اختراعات کی ابتدا خیالی نظریات ہی سے ہوئی ہے اور بعد مین وہ نشو و نما پاکر حد کمال کو پہنچی ہین۔

یقیناً لاسلکی برقی وہ سب سے بڑی قوت ہے جسے عقل نے خدمت انسان کے لیے مسخر کیا ہے، ہمارے نزدیک اس سے زیادہ بڑی کوئی ایسی قوت نہین ہے جس سے انسان نے استفادہ کیا ہو، اس کے باوجود علماء یقین دلاتے ہین کہ اس نادیدہ قوت کے متعلق ہماری معلومات ابھی تک بالکل ابتدائی حالت مین ہین اور عنقریب ایک ایسا دن آنیوالا ہے جب لاسلکی آلات و اختراعات کی کثرت ہو جائے گی اور اس پیچیدہ قوت کی تسخیر کامل ہی پر انسان کی زندگی کا دارومدار ہو گا،

لیکن اصول نشو و ارتقا؟

یقیناً لاسلکی عنقریب اس اصول کو ایک دوسرے راستے پر ڈال دیگی اور فضاء انسانکے نشو و ارتقا مین اثرانداز ہوتی رہیگی

رفتار واقعات کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ نظام معاشرت و تمدن عنقریب آلات پر منحصر ہو جائے گا اور انسان اپنی تمام حرکات و سکنات مین ان آلات سے امداد لے گا جو اسے چارون طرف سے گھیرے ہوئے ہون گے ۔

اور اس کی عقل ؟

علمار کا خیال ہے کہ اس کی عقل بھی بہت زیادہ ترقی یافتہ ہو جائے گی البتہ وہ ان آلات کو استعمال کرنے کے لیے کسی غیر معمولی فہم و فراست کا محتاج نہ ہو گا ــــــ جس طرح ایک معمولی مزدور کو برقی آلات سے کام لینے مین کسی خاص ذکاوت ذہانت کی ضرورت نہین ہوتی ــــــ تاہم ان اختراعات مین اضافے اور ان کی تکمیل کے واسطے غالباً اُسے بہت زیادہ عقل و دانائی درکار ہو گی !

منظور سروش بھوپالی

کاجل ـ سُرمہ ـ چُورن ـ منجن

اڈیٹر صاحب نگار نے خود ان دواؤن کا اطمینان کر کے اپنی رائے ان کے مفید ہونے پر اکتوبر کے ملاحظات مین ظاہر کی ہے دوسری تازہ سند ملاحظہ ہو :۔ سرمہ ضعف بصارت وغیرہ کے لیے بہت مفید ہوا ، ایک تیشی اور بھیج دیجیے ۔

(سید رضا ، زیر سوبنتھ) (ریوت محل)

کاجل آشوب ، سرخی ، ضعف بصارت کے لیے از بس مفید ہے ۔ ایک ڈبیہ جو ایک شخص کیلیے سال بھر کو کافی ہے قیمت ایک روپیہ عہ ر

سُرمہ یہ بیش بہا سرمہ چالیس دن مین تیار ہوتا ہے اس مین نہ میرہ ہے نہ کوئی جواہر بلکہ معمولی سرمہ ہے جس کو جڑی بوٹیون کے عرق مین پیس کر تیار کیا جاتا ہے اس کے فوائد کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جالا ، دھند موتیا بند اور ضعف بصارت صرف ایک ماہ کے استعمال سے جاتا رہتا ہے اور بار ہا آزمایا ہوا ہے قیمت فی پڑیہ (عہ ر) علاوہ محصول ،

چُورن یہ وہ اکسیری چیز ہے جس کا ہر گھر مین رہنا ضروری ہے ، پیٹ کا درد ، قبض ، نفخ ریاح کا پیدا ہونا ، سوء ہضم دستہ لگا آنا سب یک لخت اسکے استعمال سے جاتا رہتا ہے کیسا ہی شدید درد پیٹ مین ہو ایک چٹکی کھا لینے سے جاتا رہتا ہے قیمت فی ڈبہ ۸ تولہ عہ ر علاوہ محصول ۔ **منجن** اسکی ادنی خوبی یہ ہے کہ ہلتے ہوئے دانت جم جاتے ہین قیمت فی ڈبہ ۸ تولہ ایک روپیہ علاوہ محصول **نوٹ** ۔ سب چیزین منگانے والون کو محصول ڈاک معاف ۔

م بیگم نمبر ۲۴ نظیر آباد لکھنؤ

آیندہ جنوری ۳۲ء کا نگار

تقریباً دو سو ۲۰۰ صفحات پر شایع ہوگا

اور

مخصوص ہوگا **مطائبات غالب** کے لیے ۔ اس وقت تک غالب پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اسکی فلسفہ طرازی، معنی آفرینی، علوے خیال، بلندی مفہوم اور دشوار پسندی سے متعلق تھا لیکن یہ راز اب تک سربستہ ہے کہ غالب کی شہرت و کامیابی کا حقیقی راز ان سب سے علیحدہ صرف اس کی شوخی، شوخ نگاری، بذلہ سنجی اور مطائبات پسندی مین پنہان ہے جنھون نے اس کے سارے کلام کو خواہ وہ نظم ہو یا نثر، فارسی ہو یا اردو ایک نہایت ہی اچھوتی قسم کی تنقید ملیح (witty criticism) مین تبدیل کر دیا ہے۔

یہ مضمون ایک مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتا ہے جس مین برسون کی محنت و کاوش کے بعد اس کے اردو کلام سے اصلی فارسی تصانیف سے اس کے رقعات سے اور تمام ان واقعات وحالات سے جو تذکرون اور خود اس کی تصانیف مین ملتے ہین غالب کی شوخی و شوخ نگاری پر تمام پہلوؤن سے نہایت ہی مکمل بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ غالب کی شہرت و کامیابی کا تنہا راز صرف یہ تھا کہ وہ قدرت کی طرف سے نہایت شوخ و بذلہ سنج طبیعت لے کر آیا تھا۔ اور اسکی ساری زندگی اس کی جملہ تصانیف مین یہی وہ رنگ ہے جو تمام شعرا سے اسے ممتاز بناتا ہے۔

سب سے پہلے ایک بسیط مقدمہ کے ذریعے سے مثالین دے دے کر بتایا جائے گا کہ شوخی و ظرافت کی دنیا مین کتنی قسمین ہین غالب سے قبل کن کن شعرا نے اسے اختیار کیا ہندوستان مین اس رنگ نے کتنا نوع اختیار کیا۔ اور پھر غالب کے اردو فارسی کلام اور اس کے حالات و کوائف زندگی کا استقصا کر کے بتایا جائے گا کہ غالب حقیقتاً کس قدر دلچسپ انسان تھا اور کیسے کیسے نوادر ادب اور لطائف انشا وہ اپنے بعد چھوڑ گیا ہے۔

یہ کتاب اگر ایک طرف فن تنقید کی بہترین مثال ہے تو دوسری طرف ایسا مجموعہ لطائف ہے کہ شاید ہی اس سے بہتر ذریعہ تفریح و دلچسپی کا کوئی اور ہو۔ یہ تصنیف غالب کے متعلق بالکل اچھوتی چیز ہوگی اور ہر شخص کے ذوق کو آسودہ کرنے والی۔ وہ حضرات جو غالب کا صحیح مطالعہ کرنا چاہتے ہین ان کے لیے اس کتاب کا دیکھنا ایک فریضہ ادب کی حیثیت رکھتا ہے

یہ کتاب صرف نگار کے جنوری نمبر میں شائع ہوگی اور اس لیے اس کے حاصل کرنے کا تنہا ذریعہ یہی ہے کہ نگار کی خریداری کو جاری رکھیے اور آپ کے حلقۂ احباب میں جو حضرات اس کتاب کو حاصل کرنا چاہتے ہیں انھیں نگار کی خریداری پر آمادہ کیجیے۔

نیاز

نہایت ارزان سودا

نگارستان عہ/ شہاب کی سرگذشت عہ/ فراست الید عہ/ فراست التحریر ا/ اردو رسم الخط ۸/ جذبات بھاشا ۱۲/ ایک شاعر کا انجام ۱۰/ صحابیات ۱۲/ گہوارۂ تمدن عہ/ تذکرہ خندہ گل للعہ لالہ رخ عہ/ نقاب اٹھ جانیکے بعد ۸/ موج تبسم مجلد عہ/ بحر تبسم مجلد ۱۲/

کل میزان عہ ۱۲/ علاوہ محصول **لیکن**

یہ تمام کتابیں ایک ساتھ طلب کرنے پر مع محصول صرف للعہ ۱۴/ میں مل سکتی ہیں ہر آرڈر کیساتھ ایک چوتھائی قیمت وصول ہونا ضروری ہے منیجر نگار لکھنؤ

اردو املا پر ایک سرسری نظر

ہندوستانی اکیڈمی کے سہ ماہی رسالہ بابت ماہ جنوری سنہ ۳۱ء موسوم بہ تماہی رسالہ مین جناب ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی ایم اے پی ایچ ڈی نے ایک مضمون اردو املا پر تحریر فرمایا ہے اس مین یون تو زبان کی بہت سی غلطیان ہین لیکن یہان میرا مدعا زبان کی غلطیان ظاہر کرنا نہین ہے بلکہ نفس مضمون پر اظہار خیال کرنا ہے اس لیے مین زبان کی غلطیون کو نظرانداز کرکے صرف "اُرُدو املا" کے متعلق اپنی رائے ظاہر کر رہا ہون۔

ہر زبان کے املا کی علتِ غائی صرف یہ ہوا کرتی ہے کہ اس کے صحیح تلفظ کو کاغذ پر حرف کے ذریعے سے ادا کر دیا جائے چونکہ ہر ملک کے تلفظ کا دارومدار دہان کے باشندون کے اعضائے تکلم کی ساخت پر ہوتا ہے اس لیے ہر ملک مین مختلف حرف مختلف تلفظ ادا کرنے کے لیے رائج ہو گئے۔ اہل عرب کے مخارج آواز کی خصوصیت کی وجہ سے ح ۔ ع ۔ ص ۔ ض ۔ ط وغیرہ عالم وجود مین آئے اور اسی طرح دیگر ممالک کی ضرورت کے موافق حرف بنے۔

مختلف ممالک کے حروف پر غور کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بعض حرف تو ایسے ہین جن کی آواز دو ملکون مین مشترک ہے مثلاً P. اور پ اور بعض حرف ایسے ہین جو ایک ملک کے واسطے مخصوص ہین مثلاً ع ح وغیرہ

مرور ایام کے ساتھ ممالک کے نظام حکومت مین تبدیلیان ہوتی رہین۔ ایک ملک کے لوگ دوسرے ملکون مین جا کر ایک دوسرے مین کچھ اس طرح گھل مل گئے کہ اب اس کا جاننا دشوار ہو گیا کہ کون لفظ کس زبان کا ہے

ایک زبان کے الفاظ جو دوسری زبان مین داخل ہوے ہین ان مین سے بعض تو ہو بہو داخل ہو گئے ہین اور بعض مین کچھ تصرف ہوا ہے چونکہ ہر ملک کے باشندون کا طرز تخیل، طرز ادا، طرز بود و باش اس ملک کے لیے مخصوص ہوتا ہے اس لیے ہر نئے لفظ کا مفہوم جو دوسری زبان مین داخل ہوا مختلف وجوہ کی بنا پر بدل گیا، جتنا زمانہ گذرتا جاتا ہے لفظون کے مفہوم مین تبدیلی ہوتی جاتی ہے اس کے ساتھ ساتھ مختلف ممالک کے باشندون کے مخارج آواز مین بھی تبدیلیان ہو رہی ہین جس کا اثر الفاظ کے تلفظ پر پڑ رہا ہے۔ حتی کہ اب یہ حالت ہو گئی ہے کہ بعض زبانون مین کسی مخصوص آواز کے ادا کرنے کے لیے حرف تو موجود ہے مگر وہ آواز مفقود ہو چکی ہے۔ البتہ الفاظ کا املا پہلی طرح رائج ہے۔

چونکہ اردو زبان اور زبانون کے مقابلے مین بہت نئی ہے اور اس مین تریب قریب ہر مخرج کی آوازین موجود ہین

لہذا ایک اردو بولنے والا ہر زبان کا تلفظ باسانی ادا کر سکتا ہے جس کی وجہ سے زبان اردو مین دوسری زبانون کے الفاظ جذب کرنے کی قوت یعنی ان کو اپنا بنا لینے کی قابلیت موجود ہے اور اس حیثیت سے زبان اردو دنیا کی ہر زبان پر فضیلت رکھتی ہے۔

عربی فارسی اور اردو کا رسم خط ایک سا ہے اس لیے جو عربی اور فارسی الفاظ اردو مین داخل ہوئے ان کا املا قریب قریب وہی رہا جو پہلے تھا البتہ ان کا مفہوم مرور ایام کے ساتھ بدلتا رہا، وہ تمام الفاظ جو اب زبان اردو مین شامل ہین اپنے مفہوم کی بنا پر اردو ہین ایک اردو دان شخص جب اردو بولتا ہے تو اسے اسکی بالکل خبر نہین ہوتی کہ وہ فارسی الفاظ استعمال کر رہا ہے یا عربی، وہ ہر لفظ کو اردو سمجھ کر بولتا ہے اور اس کے دل مین ان الفاظ کا وہی مفہوم ہوتا ہے جو زبان اردو مین ہے ایک اردو بولنے والا شخص جب لفظ خندق استعمال کرتا ہے تو اس پر قطعاً نہین غور کرتا ہے کہ یہ لفظ کندک سے مشتق ہے وہ تو لفظ خندق سے اس چیز کا تصور کرتا ہے جس پر لفظ خندق کا اطلاق ہوتا ہے۔ البتہ جب ہم یہ الفاظ کا غذ پر لکھتے ہین تو ان کے املا مین دو خصوصیات نظر آتی ہین

(۱) املا سے الفاظ کا تلفظ ادا کرنے مین مدد ملتی ہے۔

(۲) املا سے اکثر الفاظ کی فیلولوجی کا پتہ چلتا ہے۔

جس طرح دنیا کی دیگر زبانون مین اکثر الفاظ کے تلفظ اور املا مین اختلاف ہے اسی طرح اردو مین بھی بعض الفاظ کا املا کچھ ہے اور تلفظ کچھ۔ اس اختلاف کی وجہ صرف یہی ہے کہ جب ایک زبان کا لفظ دوسری زبان مین شامل ہو جاتا ہے تو تلفظ تو آسانی سے بدل سکتا ہے مگر املا کا دار مدار تحریر پر ہے اس لیے اس کے بدلنے مین دشواری ہوتی ہے مثلاً انگریزی لفظ know مین حرف k تلفظ مین نہین آتا ہے مگر اس k کی وجہ سے اسباب کا پتہ چلتا ہے کہ انگریزی لفظ Know فرانسیسی لفظ connaitre لاطینی cognoscere سنسکرت لفظ گیان ज्ञान فارسی لفظ دانستن سب ایک ہی مخزن سے متخرج ہین۔ اسی طرح لفظ Knee جس کا پہلا حرف k تلفظ مین نہین آتا فرانسیسی لفظ genou (تلفظ ژنو) لاطینی لفظ genu فارسی زانو ہندی جانو سے ہم آہنگ نظر آتا ہے

اس لیے اردو دان حضرات کا یہ فرض منصبی ہے کہ اردو الفاظ کے املا کو جہان تک ممکن ہو دست برد زمانہ سے محفوظ رکھین۔ کسی زبان کی فیلولوجی مین جتنی مدد املا سے ملتی ہے اتنی اور کسی چیز سے نہین ملتی۔

اس مضمون مین جس کا مین نے شروع مین حوالہ دیا ہے جناب ڈاکٹر صاحب موصوف نے املے مین کچھ تبدیلیان کرنے کے تجاویز پیش کیے ہین۔ اور پہلا حرف جس پر انھون نے بہت کچھ لکھا مارا ہے وہ ہائے مختفی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ حرف زبان عربی اور زبان فارسی کیلیے مخصوص ہے اور اُس کا وجود زبان اردو یا ہندی یا سنسکرت مین نہین ہے۔

اس مین جناب ڈاکٹر صاحب موصوف نے ایک آواز اور ایک مخصوص حرف مین خلط بحث کر دیا۔ حرف بالذات خود کوئی چیز نہیں ہے وہ صرف ایک مخصوص آواز ادا کرنے کے لیے لکھا جاتا ہے جب ہم چند حرفون کو کسی زبان کیلیے مخصوص کرتے ہین تو اس سے ہمارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جن مخصوص آوازون کے ادا کرنے کے لیے وہ حرف وضع کیے گئے تھے وہ آوازین اس زبان کے لیے مخصوص ہین (یا کبھی مخصوص تھین)

اب ہمین دیکھنا یہ ہے کہ وہ آواز جس کے ادا کرنے کے لیے ہائے مختفی وضع کی گئی تھی وہ اردو ہندی یا سنسکرت مین موجود ہے یا نہین اگر نہین موجود ہے تو واقعی مین ڈاکٹر صاحب کا فرمانا صحیح ہے اور اگر وہ آواز موجود ہے تو یقیناً ڈاکٹر صاحب کی رائے غلط ہے۔

زبان سنسکرت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے ہزارون الفاظ سنسکرت مین موجود ہین جنکے آخری حرف स اور र کو حذف کر دینے سے ایک ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جو ہائے مختفی سے ملتی جلتی ہے اسے سنسکرت مین بسرگ विसर्ग کہتے ہین

مثلاً प्रातर काल (صبح) کا र حذف کرنے سے प्रातः काल بنا

हरिस (فاعل) کا स حذف کرنے سے हरि بنا

स्वयमस (از خود) کا स حذف کرنے سے स्वयमः بنا

अदस (یہ) کا स حذف کرنے سے अद بنا

धनुस (کمان) کا स حذف کرنے سے धनु بنا

اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ سنسکرت विसर्ग کا قریب قریب وہی طریقہ ہے جو ڈاکٹر صاحب نے بندہ وغیرہ کی نسبت تحریر فرمایا ہے جس طرح بندک کا آخری حرف ساقط ہو جانے سے ایک نئی آواز پیدا ہوئی جو الف اور فتحہ کے مابین تھی اسی طرح अदस के آخری حرف स کے ساقط ہو جانے سے ایک لفظ अद بنا جس کے آخر کی آواز الف اور فتحہ کے مابین ہے۔

سنسکرت کے مندرجۂ بالا الفاظ پر غور کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زبان مین تین طرح کی آوازین حرف علت اور حرکت کے بین بین موجود ہین۔

(۱) فتحہ اور الف کے بین بین مثلاً अद

(۲) کسرہ اور ی کے بین بین مثلاً हरि

(۳) ضمہ اور واؤ کے بین بین مثلاً धनु

یہ ممکن ہے کہ ان آوازون کا تلفظ فارسی کے ہائے مختفی کے تلفظ سے کچھ خفیف سا مختلف ہو مگر یہ خفیف اختلاف محض

خصوصیات زبان کی وجہ سے ہے۔

اگر غور کیا جاے تو سنسکرت کی یہ تینون آوازین عربی الفاظ غز الۃ۔ غز الہ۔ غز الۂ سے ملتی جلتی ہین، اب جو حرف اُس آواز کے ادا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے جو فتحہ اور الف کے بین بین ہے اس کو ہم ہائے مختفی کہین یا اس کے لیے کوئی اور نام قرار دے دین مگر اصلیت وہی رہے گی، اصلیت کا دار و مدار ہمارے خود ساختہ نام پر نہین ہے

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ آواز کیونکر پیدا ہو سکتی ہے۔ ہمارے معزز ڈاکٹر صاحب نے ہائے مختفی کی وجہ صرف ایک قرار دی ہے وہ یہ کہ بعض فارسی قدیم کے آخری الفاظ کا آخری حرف ٹ تھا جو مرور ایام کی وجہ سے بدل کر ک سے گ ہو گیا اسکے بعد ساقط ہو گیا ساقط ہونے سے اس کے حرف ما قبل کی حرکت اسی طرح قائم رہی جیسی پہلے تھی۔ اس کے بعد معزز ڈاکٹر صاحب نے ایک عجیب استدلال پیش کیا ہے وہ یہ ہے، چونکہ سنسکرت ہندی اور اردو کا کوئی لفظ حرکت پر نہین ختم ہوتا ہے اسلیے اہل فارس کو ایک حرف ساکن کی ضرورت ہوئی جو ایسے لفظ کے آخر مین چپکا دیا جاے تاکہ وہ لفظ بھی سکون پر ختم ہو۔ یہ حرف ہائے مختفی کہلاتا ہے

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اس نام ہائے مختفی کی یون تشریح کی ہے۔ فرماتے ہین عربی زبان مین یہ لفظ پہلے سے موجود تھا اور چونکہ اس کی آواز مین ہ کی آواز مستتر تھی اس لیے اس کو ہائے مختفی کہتے تھے۔ جب اہل فارس کو ایک ساکن حرف کی ضرورت ہوئی تو انھون نے یہ حرف موزون سمجھ کر آخر مین چسپان کر دیا

اس مین معزز ڈاکٹر صاحب نے دو غلطیان کی ہین

(۱) ڈاکٹر صاحب کا یہ دعوے سراسر غلط ہے کہ سنسکرت اور ہندی مین کوئی لفظ حرکت پر نہین ختم ہوتا ہے اصلیت یہ ہے کہ سنسکرت اور ہندی مین ایسے الفاظ بہت کم ہین جو سکون پر ختم ہوے ہون یعنی جنکے آخر مین हल न्त ہو سنسکرت اور ہندی کا ہر لفظ اصولاً حرکت پر ختم ہوتا ہے، البتہ اردو کے اثر سے بعض ہندی الفاظ سکون پر ختم ہونے لگے ہین اور سنسکرت مین تو اب بھی قریب ہر لفظ کے آخر مین حرکت ہے اور ایسے الفاظ بہت کم ہین جنکے آخر مین हल न्त ہو

(۲) دوسری غلطی جو جناب ڈاکٹر صاحب موصوف نے کی ہے وہ یہ ہے کہ انھون نے فتحہ اور ہائے مختفی کی آواز ایک قرار دے دی ہے۔ اُن کا منشا اس ساری تحریر سے یہ ہے کہ ہائے مختفی اور فتحہ کی آواز ایک ہے مگر قواعدان حضرت نے یہ دیکھ کر کہ کسی لفظ کے آخر مین حرکت نہین ہو سکتی ایک نیا حرف ہائے مختفی جوڑ دیا۔ اگر فی الحقیقت آخری حرف کی حرکت کی آواز وہی تھی جو فتحہ کی ہوتی ہے تو ایک نیا حرف ہائے مختفی جوڑنا سراسر غلطی تھی عربی مین زیادہ تر الفاظ کے آخر مین حرکت ہے اور پھر بھی اہل عرب نے کوئی نیا حرف نہ جوڑا، البتہ اہل عرب نے صرف ان لفظون کے آخر مین ہائے مختفی بڑھائی جن کے حرف آخر کی حرکت کی آواز فتحہ اور الف کے درمیان تھی۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اہل فارس نے ہائے مختفی اس لیے نہین شامل کی تھی کہ ان کو آخر کے حرف کی حرکت ناگوار تھی، بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ آخری حرف کی حرکت الف اور فتحہ کے بین بین تھی اور اہل فارس اس حرکت کو علاوہ عربی کی ہائے مختفی کے اور کسی حرف کے توسط سے

نہین ظاہر کرسکتے تھے۔ سنسکرت کے الفاظ جو مین پہلے لکھ چکا ہون ان پر غور کرنے سے یہ صاف نظر آتا ہے کہ سنسکرت الفاظ کا حال विलदी کی حالت مین بعینہ یہی ہے لہذا ڈاکٹر صاحب نے اس مسئلہ کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ قابل یقین نہین ہے۔

علاوہ برین ڈاکٹر صاحب نے جو یہ فرمایا ہے کہ اردو زبان مین کوئی لفظ حرکت ختم پر نہین ہوتا تو یہ سراسر غلطی ہے اگر ہم ہر اس لفظ پر غور کرین جس کے آخر مین حرف علت ہے جیسے کتا، لڑکی وغیرہ تو یہ واضح ہو جائیگا کہ حرف علت کا ماقبل متحرک ہے اور وہ حرف علت صرف اس کی پر زور حرکت کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوا ہے، ایسے الفاظ مین حرف علت کی بذات خود کوئی آواز نہین ہوتی ہے اور ان کا وجود صرف اس امر کی دلیل ہوتا ہے کہ حرف ماقبل کی حرکت پر خاص طریقے سے زور دیا گیا ہے۔ اگر ہم اس حیثیت سے دیکھین تو اردو کا ہر وہ لفظ جس کے آخر مین حرف علت ہے حرکت پر ختم ہوتا ہے اور یہ حرکت اس کے آخری حرف علت سے ظاہر کی گئی ہے۔

اصل مین ہائے مختفی کی آواز دو وجوہ سے پیدا ہو سکتی ہے

(۱) کسی حرف آخر کے ساقط ہو جانے سے جس کا ماقبل متحرک بہ فتحہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کی متعدد مثالین دی ہین۔ سنسکرت مین ایسی ہزارون مثالین مل سکتی ہین

(۲) چونکہ ہائے مختفی ایک آواز ہے درمیان فتحہ اور الف کے اس لیے اگر اس آواز پر جو ہائے مختفی سے پیدا ہوتی ہے زور دے دیا جائے تو الف کی آواز نکلے گی، اسی طرح اگر اس آواز کا جو الف کے توسط سے نکالی جاتی ہے زور کم کرلیا جائے تو ہائے مختفی کی آواز نکلے گی، چنانچہ اگر کوئی لفظ الف پر ختم ہوتا آخری حرکت سے پہلے کی حرکت پر زور دے دیا جائے جس کو زبان انگریزی مین accent کہتے ہین تو لامحالہ آخری حرکت ضعیف ہو جائے گی اور ایسی آواز پیدا ہوگی جس کو ہم ہائے مختفی سے ادا کرتے ہین مثلاً اگر ہم لفظ مارکہ کے آخر کے ماقبل کے ٹکڑے یعنی مار پر زیادہ زور دے دین تو اس لفظ کا تلفظ اردو مین مارکہ لکھا جائے گا۔ اسی طرح لفظ گھنٹہ مین زیادہ زور لفظ گھن پر ہے اس لیے آخری حرف کی حرکت کی آواز کو ہائے مختفی سے ظاہر کرنا پڑا،

اردو فارسی اور عربی کے تمام الفاظ پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہائے مختفی محض ان الفاظ مین موجود ہے جن کے آخری ٹکڑے کے ماقبل پر آواز کا زور دیا جاتا ہے۔

فارسی   درمعرکہ این تفنگ فریادرس است۔

چونکہ لفظ تپنچہ مین پن پر زور ہے اس لیے آخر مین ہائے مختفی لکھنی پڑی اسی طرح جن اردو لفظ کے تلفظ مین آخری ٹکڑے کے ماقبل پر زور ہے وہ لامحالہ ہائے مختفی سے لکھا جائیگا، اردو زبان مین اس خاص آواز کے ظاہر کرنیکا کوئی اور طریقہ نہین ہے۔ یہ مسئلہ اس بات سے اور بھی صاف ہو جاتا ہے کہ ضرورت قافیہ کی وجہ سے ہائے مختفی کو الف سے

بدل دیتے ہین۔ اس لیے اس کو الف سے لکھتے ہین۔ ڈاکٹر صاحب نے جتنے تجاویز اس ضمن مین پیش کیے ہین وہ سب فضول معلوم ہوتے ہین۔

اتنا بیان کرنا بہت ضروری ہے کہ اردو اور فارسی زبانون مین ایسے چند الفاظ بھی مل جائین گے جن کے آخری ٹکڑے پر زور ہے مگر وہ متذکرہ بالا قاعدے کے خلاف (ہ) سے لکھے جاتے ہین۔ اس کی وجہ محض یہ ہے کہ ابتدائی زمانے مین جب وہ الفاظ عالم وجود مین آئے تو اس کا تلفظ وہی تھا جس طرح وہ اب لکھے جاتے ہین مرور ایام کی وجہ سے اس تلفظ مین فرق آگیا ہے۔ ایسے الفاظ کی تعداد بہت کم ہے انکو ہم مستثنیٰ سمجھ کر الگ کر دینگے

اب مین صرف چند الفاظ کا ذکر کرون گا،

(۱) اکہ۔ اس مین ڈاکٹر صاحب نے عجیب طریقے سے تین مختلف الفاظ کا خلط مبحث کر دیا ہے

(الف) یکہ۔ جس کا اطلاق ایک سواری پر ہوتا ہے جسے ایک گھوڑا کھینچتا ہے، مگر اس کی طرف یکہ اُسے کہتے ہین جسے ایک بیل کھینچے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے دو اعتراض کیے ہین،

(۱) یکہ لفظ ایک سے نکلا ہے لہذا الف سے شروع کیا جائے،

(۲) چونکہ اُردو لفظ ہے لہذا الف پر ختم کیا جائے،

ڈاکٹر صاحب کا پہلا دعویٰ صرف اس بنیاد پر ہے کہ فارس مین یکہ نہین ہوتا، کیا یہ ممکن نہین ہے کہ ہندوستان مین کسی فارسی خاندان کے شخص نے یہ نام وضع کیا ہو اور وہ مقبول عام ہو کر زبان مین داخل ہو گیا ہو علاوہ برین فیلولوجی کا پہلا اصول یہ ہے کہ سب کے پہلے الفاظ کے قدیم املے پر غور کرنا چاہیے تاکہ املے سے اس کے استخراج کا پتہ چل سکے مگر یہان تو ڈاکٹر صاحب نے ایک معمولی تاریخ سے لفظ کی فیلولوجی نکالی ہے، ممکن ہے کہ فارس مین یکہ ایجاد ہوا ہو مگر وہان نہ چل سکا۔ ہندوستان کی سڑکین زیادہ مسطح تھین یہان چل گیا۔ علاوہ برین ایک مدت دراز سے اہل ہند یکہ "ی" سے لکھتے چلے آئے ہین جس سے یہ صاف نمایان ہے کہ اس کا املا شروع ہی سے یونہی ہے،

دوسری تجویز کہ یکہ کا آخری حرف الف ہونا چاہیے اس لیے بیکار ہے کہ جناب ڈاکٹر صاحب نے اپنا اصول بتاتے وقت ACCENT پر بالکل غور نہین کیا۔ اس لفظ مین بھی آخر کے ماقبل ٹکڑے پر زور ہے اسلیے اسکو ہائے مختفی سے لکھنا چاہیے۔

(ب) تاش کا اکہ۔ یہ لفظ الف سے شروع ہوتا ہے اور ہائے مختفی پر ختم ہوتا ہے اس مین بھی آخر کے ماقبل ٹکڑے پر زور ہے اس لیے آخر کی آواز ضعیف ہے، لہذا ہائے مختفی سے لکھنا ضروری ہے،

(ج) موم بتی کا اکا، عورتون کا زیور اکا۔ اکا دکا یہ سب الفاظ اردو زبان مین الف سے شروع ہوتے ہین اور الف ہی پر ختم ہوے ہین۔ ان مین آخر کے ٹکڑے پر زور ہے اس لیے الف سے لکھے جاتے ہین۔ ڈاکٹر صاحب نے

اپنا مضمون غالباً اس انداز سے لکھا ہے کہ بجاے اصول سمجھانے کے ان کو اور پیچیدہ کر دیا ہے

جو الفاظ ڈاکٹر صاحب نے اس ضمن مین بیان کیے ہین ان سب مین سب سے زیادہ لفظ گرم مصالحہ پر بحث کی گنجایش ہے اس لفظ پر اکثر بحث ہو چکی ہے اور استاد الشعرا امیر احمد صاحب مینائی نے بھی اس لفظ کے متعلق اپنی راے دی ہے

جیسا مین پہلے عرض کر چکا ہون زبانون مین بعض الفاظ کا املا کچھ ہے اور تلفظ کچھ۔ یہ لفظ بھی انھین الفاظ مین سے ہے بظاہر تو اس کا املا عجیب معلوم ہوتا ہے مگر غور کرنے سے اس کے املا سے اس لفظ کی فیلولوجی کا پتہ چل سکتا ہے۔ گرم مصالحہ کے اجزا، عموماً لونگ، سیاہ مرچ، بڑی الایچی ہین اب اگر آپ کسی قرابادین مین ان مفردات کے افعال و خواص دیکھین تو معلوم ہو گا کہ یہ سب کے سب گوشت کے مصلح ہین اور انکا مزاج گرم ہے غالباً اس وجہ سے انکا نام ابتدا، مین گرم مُصالح یا گرم مُصلحات پڑ گیا ہو کثرت استعمال سے جاہل باورچیون اور خدمتگارون کے ہاتھون اس کا تلفظ بدل کر گرم مَصالح ہو گیا جس کو بعض لوگ گرم مصالح اور بعض گرم مصالحہ لکھتے ہین۔

قاضی خورشید احمد (ایم، ایس، سی)

موجِ کوثر و تسنیم

جون کے نگار مین آپنے جن تعریفی الفاظ کے ساتھ میرے کلام کو پبلک کے روبرو پیش کیا ہے وہ میرے لیے باعث فخر بھی ہین اور وجہ انفعال بھی — وہ اس لیے کہ آپکی پسندیدگی کوئی معمولی بات نہین اور یہ اس بنا پر کہ ناتھکے ہین اسکی مستحق ثابت ہوتی مین نے چاہا تھا کہ ان "اوراق پریشان" کو تلاش کر کے آپ کے پاس بھیجدون لیکن پھر اس اندیشے سے کہ کہین آپ بنا تو نہین رہے اس خیال کو ترک کر دیا اگر آپ پھر اصرار کرینگے تو مین پھر غور کرونگی کہ تعمیل ارشاد ضروری ہے یا نہین۔ آج ہی صبح کو یہ چند شعر گنگنانے ہو گئے دران حالیکہ خود ان مین کوئی موسیقیت نہین،

آخر کار مجھے ضبط کا یارا نہ رہا — یعنی امید کا بھی کوئی سہارا نہ رہا
سیکڑون بار مرا ہاتھ سے چھوٹا دامن — سیکڑون بار مجھے ضبط کا یارا نہ رہا
کبھی آجاتے تھے ہنسنے کو مرے رونے پر — میرا یہ عیش بھی اب تم کو گوارا نہ رہا
منھ پہ تکتے شمع کا چہرا پیہم — اور یونہی تا صبح ہم دیکھا کیے

(نگار) یہ شاعری اور اس پر یہ انکسار، اسواے اسکے کیا عرض کرون

چشم اگر این ست و ابرو این و ناز و غشوہ این — الفراق اے ہوش و تقوے، الوداع اے عقل و دین

انوارِ مستقبل

مرے حبیب وطن! اے مرے حبیب وطن
مرے حبیب وطن

قریب جلوہ گری ہے شعاعِ مہرِ مراد
نظامِ تیرگیِ یاس ہو چلا برباد
پیام لائے گا خورشیدِ ہند زندہ باد
اٹھی ہے بامِ ہمالہ سے روشنی کی کرن
مرے حبیب وطن

پہونچ گئی تری آواز تا بہ عرشِ مجید!
دعا ہوئی تری مقبولِ بارگاہِ حمید!
قریب ہے ترے دورِ عظیم کی تجدید!
بھرے گا صدق کے پھولوں سے پھر ترا دامن
مرے حبیب وطن

ملے گی تیرے غریبوں کو دولتِ یزدان!
کہ پھوٹنے کو ہیں انوارِ برکتِ یزدان!
جھکی ہے تیری طرف چشمِ رحمتِ یزدان!
بسیں گی تیرے لیے راحتوں کی گنگ و جمن
مرے حبیب وطن

اب ایک صف میں کھڑے ہونگے قیصر و مزدور
اساسِ دہر بنے گا "ادارۂ جمہور"
کہ صبح امن و مساوات ہے قریب ظہور
بنے گا گھر ترا انوار قدس کا مسکن

مرے حبیب وطن

پیام روح سنائیگا ہر پیام ترا
دلوں کو نور سے روشن کریگا جام ترا
فرشتے دہر میں پھیلائینگے نظام ترا
پھر آستان ترا ہوگا امید گاہ زمن

مرے حبیب وطن

تو ہی خدا کی محبت کے گیت گائے گا!
رہِ نجات زمانے کو تو بتائے گا!
چراغ معبد مشرق میں تو جلائے گا!
کرے گا شمع ہدیٰ تو ہی دہر میں روشن

مرے حبیب وطن

تو شمع نور ہے مغرب کی رہبری کیلیے
تو ہی دلیل ہے مشرق کی برتری کیلیے
بنا ہے تاج وفا تیری سروری کیلیے
طواف زن ہے ترے آسمان کا چرخ کہن

مرے حبیب وطن

بہیں گے دہر میں صدق و صفا کے چشمے پھر
اٹھیں گے ہند سے عشق خدا کے نغمے پھر
خدا کے گھر پہ جھکیں گے خدا کے بندے پھر
رموزِ الفتِ یزدان تو ہی کرے گا علن

مرے حبیب وطن

روش صدیقی

نمودِ حسن

وہ ساعتِ شبِ آخر، وہ بارشِ انوار
وہ فرطِ کیف، وہ شانِ کمالِ جلوہ گری

خلا بسیط، نظر کامیابِ نظارہ
نشاطِ روح بہارِ لطافتِ سحری

تصورات میں مخمور و مست دیدہ و دل
تجلیات سے معمور فطرتِ بشری

نمودِ صبح نے توڑا طلسم شبِ آخر
حواسِ خمسہ سے زائل ہوئی وہ بیخبری

جو یک بیک نگہِ شوق اٹھ گئی سوئے شرق
افق سے جھانک رہا تھا ستارۂ سحری

نشاطِ ذوقِ نظر، دل فروز، روح فزا
نمودِ حسن سرِ بامِ چرخِ نیلو فری

نسیم وجد میں گلہائے باغ قہقہہ زن
طیور مستِ مئے شوقِ نغمۂ سحری

وُہ دُرفشانیٔ شبنم بسبزۂ گلزار
وہ موجِ نکہتِ گل رشکِ نافۂ تتری

وہ خوش خرامیٔ دریا، وہ نزہتِ صحرا
وہ غم رُبا، وہ طرب زا تبسمِ سحری

وہ آمدِ مہرِ مبین، وہ جلوۂ نور
وہ دل فریبیٔ منظر، وہ جنت نظری

نمودِ حسن بہر کیف ہے نقاب کشا،
اگر حجابِ حقیقت نہ ہو یہ بے بصری

کوکب شاہجہان پوری

رات

جاگ اٹھی انجمن ستارون کی / سج گئی بزم ماہ پارون کی
ٹھنڈی ٹھنڈی ضیائین پھیل گئین / چاندنی کی قبائین پھیل گئین
سو گئی کائنات کی شورش / عالم بے ثبات کی شورش
نیند کی سحر کار خاموشی / رات کی شاندار خاموشی
چھا گئی شش جہاتِ عالم پر / دار و گیرِ حیات عالم پر
جذب ہین مستیان ہوائون مین / کیف مستور ہے فضائون مین
خامشی مین سرود کی لَے ہے / زمزمہ ریز اسکوت کی نے ہے
چاند سے سیلِ نور جاری ہے / راحتون کا سرور طاری ہے
جنگلون کی فضائین سوئی ہین / طائرون کی نوائین سوئی ہین
کشتیان چپ ہین بادبان چپ ہین / صاف بے داغ آسمان چپ ہین
باغ سنسان ہین شجر چپ ہین / کوہ بے جان ہین حجر چپ ہین
غم کی جان سوز آگ سوئی ہے / رشک سویا ہے لاگ سوئی ہے
جوشِ ہنگامۂ خوشی چپ ہے / شورِ پیکارِ زندگی چپ ہے

الغرض سب جہان سویا ہے
نیند کی مستیون مین کھویا ہے

عدم

غزلیات

(طالب باغپتی)

جستجو میں ہر قدم پر ایک رنگِ مشکل چاہیے
شوقِ تجدیدِ خلشِ منزل بمنزل چاہیے

اور کچھ بیتاب سا، مضطر سا اک دل چاہیے
دل تو ہے لیکن تری نظروں کے قابل چاہیے

میکدہ ہو، باغِ جنت ہو، ہجومِ حشر ہو
تیری محفل سے غرض ہے تیری محفل چاہیے

دل کی بیتابی پہ اُف آدابِ زنداں کی یہ قید
یعنی نالہ بھی ہم آوازِ سلاسل چاہیے

نجد کا ہر ذرّۂ تاباں ہے نظارہ فروش
قیس لیلےٰ کیلئے اب اور محمل چاہیے

ہوگئے بیہوش موسیٰ، یہ بھی کوئی عشق تھا
آرزو دل میں بقدرِ ہمتِ دل چاہیے

آخری منزل پہ اُف یہ شوق کی بیتابیاں
اور اس منزل سے آگے ایک منزل چاہیے

اب حقیقت کو سمجھتا ہوں تو جینا ہے وبال
یعنی پھر کوئی فریبِ نقشِ باطل چاہیے

ایک آنسو آنکھ سے طالب نکل کر بہہ گیا
یہ کہا تھا "عمرِ رفتہ تیرا حاصل چاہیے"

باسط بسوانی

جس کو عزیز جان ہو، تجھ سے وہ کیوں لگائے دل
لب پہ ہر جان نثار کے، ہائے جگر نہ ہائے دل

اس کی خطا ضرور ہے، جان کے جو لگائے دل
اس کا علاج کیا کرے، خود جو کسی کا آئے دل

اور کسی سے کیوں کہیں، اور کسی سے کیا غرض
آپ اگر سنیں کبھی، قصۂ غم سنائے دل

آتشِ غم سے آپ نے، دل کو مرے جلا دیا
آپ کو بھی خدا کرے، یونہی کوئی جلائے دل

دل کا میں حال کیا کہوں، دل کا نہ حال پوچھیے
سینے میں دل کہاں رہا، درد ہے اب بجائے دل

باسط زار نے کہا، دشمنِ جان سے رُکے یوں
تیری طرح نہ خاک میں ہنس کے کوئی ملائے دل

(کوکب شاہجہانپوری)

آئینہ دار عکس تجلی لیے ہوے
ہے ذرہ ذرہ حسن کی دنیا لیے ہوے

جلوے ہین بے قرار نمود آج کس لیے
پہنچا ہے کون دیدۂ بینا لیے ہوے

کیا پوچھتے ہو کیفیتِ لذتِ خلش
جیتا ہون دل مین خار تمنا لیے ہوے

اللہ ری بے خودیِ محبت کہ دربدر
پھرتا ہے مجھ کو ذوقِ تماشا لیے ہوے

یہ اور بات ہے کہ نہ ہو جرأتِ سوال
جاتا تو ہون ہجومِ تمنا لیے ہوے

نظارۂ چمن بھی ہے کتنا نظر نواز
ہر گل ہے ایک جلوۂ رعنا لیے ہوے

اک نشترِ نگاہ کی امید پر کوئی
بیٹھا ہے دل مین داغ تمنا لیے ہوے

کرنے لگا ہے حسن بھی اب احترامِ عشق
رہتا ہون اپنے آپ کو اتنا لیے ہوے

اصلِ حیاتِ عشق ہے رعنائیِ خیال
کوکب تصوراتِ دل آرا لیے ہوے

(دل شاہجہانپوری)

جور و جفائے یار کا شکوہ نہ کیجیے
عشق وفا سرشت کو رسوا نہ کیجیے

یہ بھی ہے اک کرشمۂ حسنِ ستم ظریف
وعدہ تو کیجیے مگر ایفا نہ کیجیے

راہِ طلب مین ٹھوکرین کھانیکے بعد بھی
کہتا ہے عشق ترکِ تمنا نہ کیجیے

رخصت ہوے حواس یہ کہہ کر دمِ نگاہ
جانِ عزیز پر بھی بھروسا نہ کیجیے

حاصل تلاش دل کا ہے یہ کوئے عشق مین
جو کھو گیا پھر اس کی تمنا نہ کیجیے

مصروف جور آپ نہین ہین تو کون ہے
یہ کیا کہا کہ شکوۂ بیجا نہ کیجیے

کچھ تو ہو میری نامرادی پر التفات
اتنا نیازِ عشق کو رسوا نہ کیجیے

ان کی نظر اٹھے گی کبھی تو پئے کرم!
حسنِ طلب یہی ہے تقاضا نہ کیجیے

خندان ہے عشق دامنِ تر پر حیاتِ دل
یون اپنے حالِ زار پہ رویا نہ کیجیے

رسالہ حریم لکھنؤ اگر آپ صفت دیکھنا چاہین تو اس سے خط و کتابت کیجیے
مینیجر حریم لکھنؤ